المرشد

ماھنامہ

الله رسول محمد

دسمبر

2007ء

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

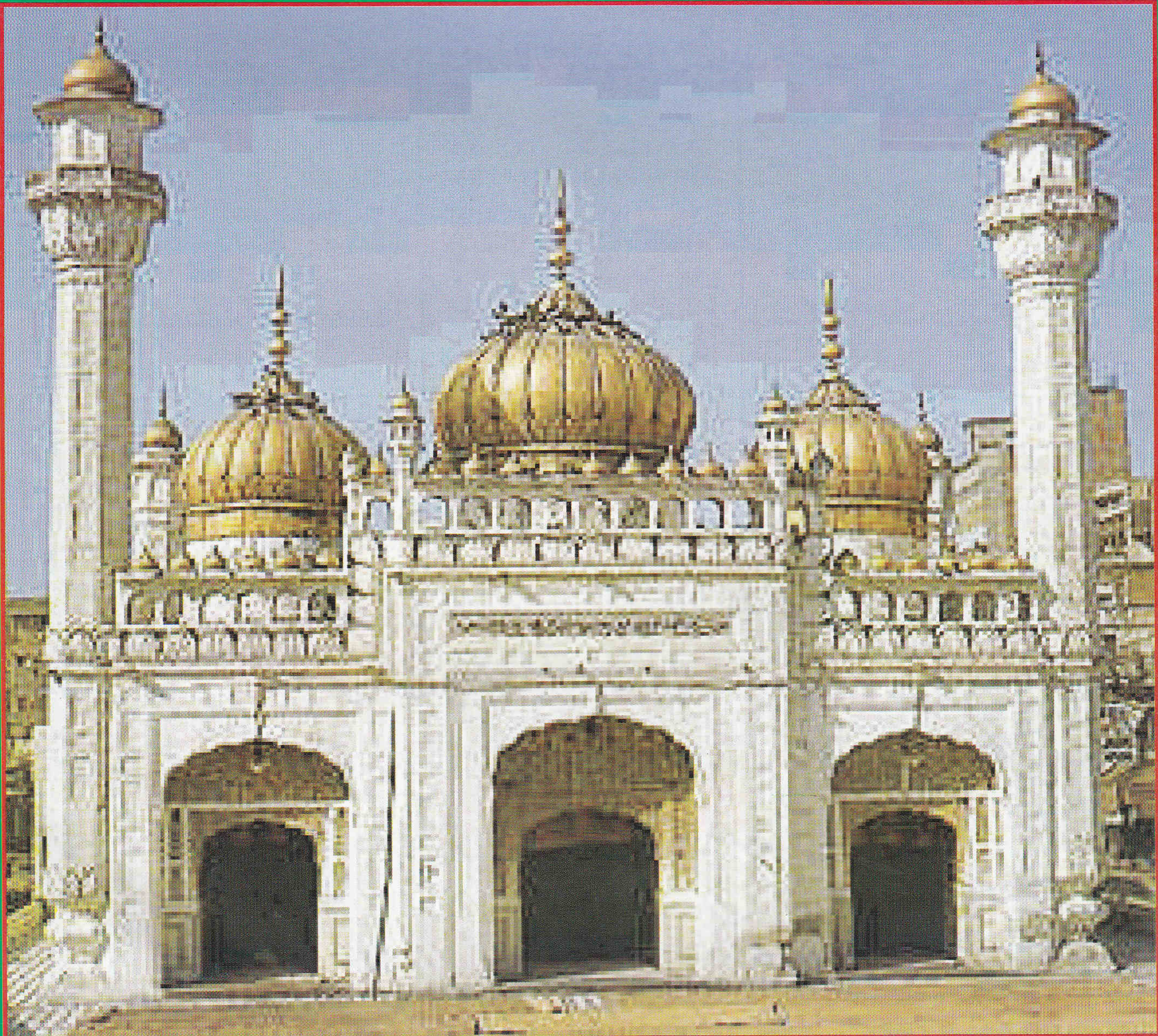

عدل ہو گا تو امن آئے گا' عدل کے بغیر امن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا!

امیر محمد اکرم اعوان

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

اسلام کا معاشی نظام

اسلام نے معاش کو انسانی اداروں کے سپرد نہیں کیا کہ وہ طے کریں کہ کس کی ضروریات کیا ہیں اور انہیں کیسے پورا کیا جائے یا وسائل پیداوار حکومت کے سپرد ہوں اور وہ سب کو برابر تقسیم کر دے کہ عملاً ایسا ممکن نہیں۔ اسلام نے ہر آدمی کو اس کی استعداد کے مطابق اس کا حق دیا ہے اور جس کو جتنا حق دیا ہے اس پر اتنے فرائض بھی رکھے ہیں اس طرح انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں ایک ہنرمند مزدور کا محتاج ہے اور مزدور ہنرمند کا کہ نقشہ تو انجینئر نے بنا دیا مگر اسے اینٹ گارے سے مکان کی شکل دینا مستری اور مزدور کا کام ہے پھر یہ سب مل کر اس مالدار یا مالک مکان کے محتاج ہیں جو سرمایہ مہیا کرے اب یہاں سب سے زیادہ بوجھ مزدور نے ڈھویا اس سے کم بوجھ مستری پر پڑا اور انجینئر نے محض کاغذ پہ لکیریں کھینچیں مگر اجرت انجینئر کو زیادہ ملی مستری کو اس سے کم اور مزدور کو اس سے کم۔ اشتراکیت نے اسے غلط کہا مگر اسلام نے انجینئر کی عمر بھر کی تعلیم اور اس کی محنت کو شامل رکھ کر اس کی درجہ بندی کی۔ مستری نے کام سیکھنے پہ جو مشقت اٹھائی وہ شمار کی اور ان کے مقابلے میں مزدور کی صرف وقتی قوت و محنت لگی لہٰذا یہی حق ہے کہ جس پر جس قدر فرض اور ذمہ داری کا بوجھ ہے وہ اتنا پالے گا ہاں اگر اشتراکیت چاہے بھی تو تقسیم برابر نہیں کر سکتی کہ انسانی استعداد کی عقلی اور ذہنی رسائی اس کا کام کے ساتھ خلوص اور دیانت و امانت بھلا کیسے ماپا جا سکتا ہے نیز اس کے میلان طبعی کے خلاف اس سے کام لینا محال اور انسانی تقسیم ہر ایک کو اس کے میلان کے مطابق دینے سے قاصر جب کہ قدرتی تقسیم میں ہر فرد اپنی پسند سے اپنے میلان طبع کے مطابق کام اختیار کرتا ہے اور عجیب بات ہے کہ ہر کوئی خوش ہے سیاستدان اپنی جگہ دفتر کا بندہ اپنی جگہ اور کاشتکار اپنی مشقت پہ نازاں ہے اسی طرح اسلام نے سرمایہ دارانہ نظام کو بھی رد کر دیا اور ناجائز وسائل سے دولت جمع کرنے کو منع کر دیا ذخیرہ اندوزی' جواء سٹہ اور سود وغیرہ کو حرام قرار دے کر جائز آمدنی پر بھی زکوۃ وعشر جیسے واجبات اور صدقات پر ثواب کا وعدہ دے کر مال کے ایک جگہ جمع ہونے کو روکا یوں دونوں کے درمیان ایک معتدل راستہ قائم کیا۔

اداریہ

عدل کے بغیر امن ممکن نہیں!

ہم گذشتہ 60 سال سے بحیثیت قوم مسائل کی چتا میں جل رہے ہیں۔ اس دوران مسندِ اقتدار پر چہروں کی تبدیلی کا عمل تو جاری رہا لیکن عام آدمی کے مسائل کو حل کرنے کی مخلصانہ اور سنجیدہ کوشش نہ کی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہم مسائل سے گزر کر بحرانوں میں داخل ہو گئے اور نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ آج ہمیں نت نئے بحرانوں کا سامنا ہے۔ دوسرا بڑا المیہ یہ ہے کہ قومی سطح پر قیادت کا شدید فقدان ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا لیڈر موجود نہیں جس پر قوم اعتماد کر سکے۔ ملک میں عام انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے لیکن ہنوز بے یقینی کی کیفیت ہے اور یہ اندازہ کرنا بہت مشکل ہے کہ آنے والے دنوں میں حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ اس صورتحال نے عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا کر دیا ہے اور قوم بجا طور پر سوچ رہی ہے کہ اس کا حل کیا ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان نے اپنے ایک حالیہ خطاب میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''ہماری بدنصیبی تو یہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے تو ملک غلام تھا جب آزاد ہوا تو کافروں کے خوشامدیوں کی غلامی میں چلا گیا سو ہم نے تو آزادی کا مزا چکھا ہی نہیں ہم تو پنجرے کے طوطے کیطرح ہیں جس کے لئے پنجرے کا دروازہ کھلا ہوتا ہے وہ دروازے سے باہر جا کر کارڈ نکال کر دیتا ہے اور واپس پنجرے میں آ بیٹھتا ہے وہ پنجرے سے باہر خود کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ ہم بھی ظلم کی چھتری کے نیچے ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر کوئی چھتری مسلط رہے وہ امریکہ کی ہو برطانیہ کی ہو کفر کی ہو ذلت کی ہو لیکن کوئی پنجرہ ہونا چاہیے جس میں ہمیں احساس ہو کہ پنجرے والا ہماری حفاظت کر رہا ہے۔ ہم اپنے مالک سے تو کٹ چکے ہیں ہمارا اللہ سے تعلق اتنا کٹ چکا ہے کہ ہم کفر کی چھتری سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے کی لذت سے آشنا ہی نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ چھتریاں ہم پر مسلط رہیں انہی کے زیر اثر پھر الیکشن ہوں پھر ہم وزیر بن جائیں۔ آج ہمارا حال اس طوطے جیسا ہے یہ سب اللہ سے دوری کی وجہ سے ہے عظمت الٰہی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ حرام کھانے' سود کھانے کا نتیجہ ہے کہ گلی گلی دہشت گردی ہو رہی ہے۔ بم پھٹ رہے ہیں یہ ایک دوسرے کو کیوں مار رہے ہیں؟ یہ وہ پھوڑے پھنسیاں ہیں جو خراب غذا کھانے کے باعث جب خون خراب ہو جاتا ہے تو بدن پر جگہ جگہ پھوڑے نکلتے ہیں۔ یہ خرابی حرام کھانے سے کفر کے تابع رہنے سے کافرانہ رسومات اپنانے سے قوم کے وجود میں در آئی ہے یہ قوم کے وجود پر ناسور ہیں جو جگہ جگہ سے پھٹ رہے ہیں جن سے خون بہہ رہا ہے پیپ بہہ رہی ہے ایک جگہ پٹی باندھتے ہیں دوسری جگہ ناسور پھٹ جاتا ہے اسکی مرہم پٹی کرتے ہیں تیسری جگہ سے پھٹ جاتا ہے ہم پٹیوں پر پٹیاں باندھے چلے جا رہے ہیں اور اس بیماری کا علاج نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ ناسور بن رہے ہیں دہشت گردی کے خلاف بیان بازی کرتے رہتے ہیں کہ یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے لیکن دہشت گردی کے اسباب دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کا علاج اصلی یہی ہے کہ لوگوں کو رزق حلال مہیا کیا جائے۔ ان پر حرام کے دروازے بند کئے جائیں جو ظلم کرے ڈاکہ ڈالے' رشوت لے اسے سزا دی جائے تو مسلمان جب حلال کھائیں گے ان میں خوف خدا پیدا ہوگا۔ اتباع شریعت کریں گے جس کے نتیجے میں امن ہوگا۔ عدل ہوگا تو امن ہوگا عدل کے بغیر امن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا''۔

امیر محمد اکرم اعوان نے ایک ماہر طبیب کی طرح نہ صرف یہ کہ مرض کی صحیح تشخیص کی ہے بلکہ اس کا علاج بھی تجویز کر دیا ہے۔ بلاشبہ عدل وانصاف ہی وہ واحد زینہ ہے جس پر پاؤں رکھ کر ہم باآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں!

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں، اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سکھایا کم، سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیض نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

پس رہے ہیں اس لئے مدت سے مانند حنا
ہاتھ پر تیرے کبھی ہم کو بھی جا مل جائے گی

شمع کی جانب چلا پروانہ یہ کہتے ہوئے
کھوج میں تیری مگر مجھ کو فنا مل جائے گی

رہنے دو دیوانگاں کو مست اپنے حال میں
ورنہ اک دن خاک میں ساری فضا مل جائے گی

چاند کو مت ڈھانپ بادل یا مجھے اتنا بتا
کیا چکوری کو ترے دل میں جگہ مل جائے گی

جان حاضر ہے مگر اپنی ہے اتنی آرزو
اس گلی میں ہم کو بھی مدفن کی جا مل جائے گی

چھوڑ بیٹھے ہیں دو عالم کو ہم اس امید پر
رہنے کو اس در پہ اک چھوٹی سی جا مل جائے گی

سبز گنبد کے مکیں تیری عطا کی خیر ہو
اک نظر سے فانی انساں کو بقا مل جائے گی

کہتا ہے سیماب خود کو تیری الفت کا اسیر
ایسی دولت ان فقیروں کو بھی کیا مل جائے گی

اقوالِ شیخ

☆ ...... بندہ مومن کی کوئی بھی قربانی دین کو بدلنے کے لئے نہیں ہوتی۔ دین کو تبدیل کرنے کے لئے جو کوشش بھی ہے وہ کسی غیر مسلم کی تو ہو سکتی ہے لیکن مومن کی ہر سانس' اُس کا زندہ رہنا' اس کا مرنا' اس کا مال' اس کی جان' اُس کی ہر حرکت اسی دین کی بقاء کے لئے ہوتی ہے۔

☆ ...... کسی واقعہ پر محض جذبات متاثر ہوئے اور اس رو میں آ کر مختلف لوگوں نے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے مختلف رسوم شروع کر دیں اور جب شروع کیں تو ان کی عقیدت وہاں اتنی پختہ ہو گئی کہ حضور ﷺ کا دین ان رسوم و روایات کے نیچے دب گیا۔

☆ ...... دین وہی ہے جو حضور ﷺ نے پیش فرمایا' اس کے بعد تاریخ شروع ہوتی ہے اور تاریخ مذہب بیان نہیں کرتی تاریخ حالات اور واقعات بیان کرتی ہے۔

☆ ...... اپنا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے اتنا مضبوط کر لو کہ دوسرا جو کوئی بھی پیارا لگے حضور ﷺ کے واسطے سے پیارا لگے نہ یہ کہ حضور ﷺ کو کسی دوسرے واسطے سے پہچاننا شروع کر دو۔

☆ ...... اگر اسلام سے محبت ہے اور اس کا نفاذ چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ایسے افراد تلاش کریں جو سارے مفادات سے کٹ کر صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ہو کر رہ جائیں۔

☆ ...... ملازمت' تجارت' زراعت اور مزدوری رزق کے چار معروف ذرائع ہیں ان معروف ذرائع کے علاوہ رزق حاصل ہو رہا ہو تو حرام ہے اور ہماری دینی و دنیوی جتنی قیادت ہے ان کے رزق کے ذرائع غیر معروف ہیں۔

☆ ...... جو شخص حرام کھانے پر قناعت کر لیتا ہے اس سے کسی نیکی' کسی شرافت کسی دین داری کی توقع فضول ہے اور خود فریبی ہے۔

آج کا سوال......؟

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 30-10-2007

18 اکتوبر کو پھر ایک سانحہ گزر گیا ایک کربلا پھر نظروں کے سامنے تھی اور پھر وہی روائتی طریقے اظہار افسوس اظہار ہمدردی اور حکومت کی طرف سے چند سکے شہداء کے وارثوں کے نام اور پھر ایک پرچہ نامعلوم قاتلوں کے خلاف چاک ہو گیا اب اس کے بعد اپنے اپنے سیاسی مقاصد کیلئے کچھ الزامات تراشے جائینگے پھر ان کے جوابات ہونگے اور یوں کسی نئے سانحے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اللہ کریم بچائے اگر پھر کوئی حادثہ ہو گیا تو یہ سب دہرایا جائیگا، اور یہ نئی بات نہیں گذشتہ ساٹھ برسوں سے یہی ہو رہا ہے پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت باغ راولپنڈی میں گولی کی نذر ہوئے تو باغ کا نام لیاقت باغ رکھ دیا گیا اور بس پھر ایک ان گنت مظالم کا تذکرہ اور مظلوموں اور مقتولین کی تاریخ ہے جن میں بڑے بڑے نام آتے ہیں علماء، صحافی مفتی جو مفتیوں کے سرخیل تھے اور صحافی جو صحافیوں کے سرخیل تھے حکیم جو حکماء اور دانشوروں کے سرخیل تھے اور جرنیل جو صدر بھی تھے اور جرنیلوں کے سرخیل بھی تھے۔ بے شمار روشن دماغ اور ایسے ایسے قیمتی سر جو کاٹے تو لمحوں میں گئے مگر ایسے سر صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں حتیٰ کہ آدھا پاکستان شہید ہو گیا سب کے پرچے نامعلوموں کے خلاف کٹ گئے اور پھر آج تک سراغ نہ لگایا جا سکا یا لگایا نہ گیا۔

مثلاً سانحہ مشرقی پاکستان پر جسٹس حمود الرحمٰن کمیشن بنا اس نے رپورٹ تیار کی مگر وہ سامنے نہ آ سکی کہ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔

ایسے لگتا ہے کہ ان عظیم حادثوں کے ذمہ دار حکومتی محلات میں بستے ہوں ورنہ کچے گھروندے اتنا بڑا بوجھ برداشت نہیں کر پاتے، بہرحال ایسی باتیں دہرانے سے کیا حاصل جو سب لوگوں کے علم میں ہیں ان سب حادثوں نے ایک سوال پیدا کر دیا ہے جو کئی روز سے تقریباً ٹیلی ویژن کے سب چینلوں پہ آ رہا ہے کہ اسکا حل کیا ہے؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمیں قومی سطح پر اب اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہوگا سیاسی اختلافات اپنی جگہ رائے کا اختلاف بھی درست مگر ملکی سلامتی اور قیام امن سب سے زیادہ ضروری امر ہے جو سب کیلئے ہے کہ ساری سیاست سب آراء ملکی سلامتی کی مرہون منت ہیں اسکا جواب جو اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ میری رائے حتمی ہے اور سب سے پہلا اور سب سے آخری جواب وہی ہے اور وہ ہے۔

''ولکم فی القصاص حیاتہ، یا اولو الباب''۔

''اے صاحب دانش لوگو تمہاری زندگی قصاص ہی ہے'' قصاص سے مراد انصاف ہے اور انصاف وہ ہوتا ہے جو بغیر تمیز کے ہو اور بلا تاخیر ہو کہ مشہور جملہ ہے کہ انصاف میں تاخیر انصاف مہیا نہ کرنے کے برابر ہے۔

نیز اس سے صرف یہ نہ سمجھا جائے کہ معاملات قتل یا دہشتگردی میں ہی

انصاف کیا جائے بلکہ اسکا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ملک کے ہر شہری کو بلا تفریق مذہب زندگی کے وسائل فراہم کئے جائیں یعنی جان و مال کا تحفظ بچوں کی تعلیم کا شعبہ روزگار کے مواقع ہر شہری کا بنیادی حق ہے اور حکومت کے اولین فرائض ہی سے ہے کہ ہر شہری کو اسکے حقوق فراہم کرے جبکہ یہاں یہ عالم ہے بڑے بڑے سکولوں میں جیسے ایچی سن کالج یا برن ہال وغیرہ میں بڑے لوگوں کے بچے پڑھتے ہیں مگر وہاں کے غریب ملازموں کے بچے ان سکولوں میں نہیں پڑھ سکتے۔ یہ کیسا دستور ہے اور کونسا انصاف ہے جہاں جہاں گورنمنٹ سکول ہیں ایک ایک گاؤں میں کئی کئی پرائیویٹ سکول ہیں جو بہت زیادہ فیس لے رہے ہیں۔ مگر لوگ وہاں بچے پڑھانے پہ مجبور ہیں کہ سرکاری سکولوں میں صرف بچے ضائع کئے جاتے ہیں پڑھائے نہیں جاتے۔ چوری ہو جائے تو لوگ تھانے جانے سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ جو مال چوروں سے بچا ہے وہ سرکاری کارندے لے جائینگے کم وبیش یہی حال سرکاری محکموں اور دفاتر کا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ قوم کے منتخب نمائندے جو اسمبلیوں کی زینت بنے اور جنکا انتخاب قانون سازی کیلئے کیا گیا انہوں نے قانون سازی کو تو کوئی اہمیت نہ دی اور گلیاں پکی کرانے اور سکولوں کی چاردیواریاں بنانے پہ لگ گئے جن امور کیلئے پہلے سے محکمے موجود ہیں وہ ان میں اپنا نام پیدا کرنے لگے اور انہوں نے اپنے لئے اتنی مراعات حاصل کیں کہ جنکی فہرست پڑھ کر یہ سوچنا پڑا کہ کیا ان لوگوں نے ملک فتح کیا ہے اور ہم اپنا ملک اپنی آزادی کھو کر انکے غلام بن گئے ہیں بلکہ انگریزی دور میں اتنی سہولتیں اور رعائتیں انگریزوں کو بھی حاصل نہ تھیں۔ جب یہ سب ہوگا تو اسکے جواب میں کیا امن ہوگا؟

ہرگز نہیں ان حالات کا نتیجہ پریشانی اور بدامنی ہوگا بھوک اور افلاس ہوگا اور جب قوم کا ایک طبقہ عیاش اور اکثریت مفلس ہوگی تو پھر مفلس لقمہ چھیننے کی کوشش کریگا جس سے دہشت گردی جنم لے گی اب ایک نئی مصیبت اور آ گئی روشن خیالی کے نام سے بے حیائی کو رواج دیا جانے لگا ان سب حالات میں اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور حالات یکسر اور حیرتناک حد تک تبدیل ہو گئے یہ روشن خیالی امریکی حکومت افغانستان میں لائی تو خون انسان پانی سے ارزاں ہوا اور اسلحہ بارود کے ڈھیر پاکستان بھی منتقل ہونے لگے اب جب اس مبارک دلہن کے قدم پاکستان کی سرزمین پر پڑے تو وہ بارود پھٹنے بھی لگ گیا کہا یہ جاتا ہے دینی طبقے میں برداشت اور رواداری کی کمی ہے مگر حقیقت یہ ہے انگریز کی حکومت میں یہی طبقہ آج سے زیادہ طاقتور اور مضبوط تھا مگر ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ بھی گزارہ ہوتا رہا اور کوئی نہ دھماکے ہوتے اور نہ خودکش حملے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

اسکی بنیادی وجہ انصاف کا عدم حصول ہے اگر آج بھی حکومت کو فرصت ہو اور توجہ فرمائے اور زندگی کے ہر شعبے میں انصاف اور میرٹ کو یقینی بنائے تو حالات آج بھی سدھر سکتے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ روشن خیالی قوم پر مسلط نہ کی جائے تو بھی ایک حد تک قابل برداشت ہوسکتی ہے مگر جب یہ سب ہوگا اور پوری قوت سے ہوگا تو پھر ردعمل شاید اس سے شدید ہوگا میری ناقص رائے میں آج ہم اسی ردعمل کا شکار ہو رہے ہیں اللہ کریم ہمیں صحیح سوچ صالح فکر اور نیک عمل کی توفیق دے۔

☆☆☆☆

ذکر آج کے عہد کی ضرورت ہے

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 04-11-2007

الحمدللہ رب العلمین ٥

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد والہٖ

واصحابہٖ اجمعین ٥

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

وآذا انزلت سورۃ ان امنوا باللہ واجاھدوا مع رسولہٖ

استاذنک اُولُولطول منھم وقالوا ذرنا تکُن مع

القٰعدین ٥ رضوابان یکونوا مع الخوالف وطبع علیٰ

قلوبھم فھُم لایفقھون ٥

اللھُم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک

انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِ وَسَلِّمْ دَائِماً ابداً

عَلٰی حبیبکَ مَنْ زانت بِہِ الْعُصُروا

نبی کریم ﷺ کی بعثت عالی ساری انسانیت اور سارے زمانوں کے لئے بعثت کا پیغام پہنچانا آپ ﷺ کے فرائض عالی میں سے تھا اسی فرض کی ادائیگی پوری حیات مبارکہ میں جاری رہی۔ نزول وحی سے لیکر ہجرت تک سارے واقعات ہر ایک کے سامنے ہیں قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں سیرت کی ساری کتابوں میں ملتے ہیں روزانہ بیان ہوتے رہتے ہیں تو دیکھا جاسکتا ہے کہ ایک ایسا عقیدہ جو دنیا بھر میں کہیں نہیں تھا ایک ایسا نظریہ جس کی مخالفت روئے زمین کے لوگ عام آدمی سے لیکر حکمرانوں تک کررہے تھے اور جس کی تبلیغ میں حضور ﷺ کو دنیا بھر کی تکالیف پیش آئیں کیا اس عقیدے کو بیان کرنے میں حضور ﷺ نے کوئی ذرہ بھر تامل کیا؟ حالانکہ یہ صرف عقیدہ ونظریہ نہیں تھا اس کا مطلب تھا اور آج بھی یہی ہے کہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا اور اس پر یقین کرتا اس کی زندگی کا سارا لائحہ عمل اس کلمے کے تابع ہو جاتا۔

بعثت آقائے نامدار ﷺ کے وقت دنیا میں بے شمار نظام رائج تھے۔ قبائل کے اپنے نظام تھے، قوموں کے اپنے اور حکومتوں کے اپنے نظام تھے جو ان کے اپنے اپنے شعور اور اپنی اپنی خواہشات کے مطابق تھے۔ اب ان بے شمار باطل نظاموں کو توڑ کر روئے زمین پر ایک نظام قائم کرنا اور وہ بھی اس حالت میں کہ اُن کے پاس نہ دولت دنیا ہو، نہ سرمایہ ہو، نہ فوج، نہ لاؤ لشکر نہ ہی اقتدار۔ محض اللہ کے بھروسے پر اللہ کا ایک بندہ ﷺ اپنا کام کئے جائے دنیائے کفر اپنا پورا زور لگائے، ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرلے لیکن وہ پیغام پھیلنا شروع ہو جائے ایک سے دو، دو سے چار، دس اور اسی طرح پھیلتا چلا جائے کہ حکومت بھی بن جائے ریاست بھی بن جائے فوج بھی بن جائے اور پھر وہ روئے زمین کی روش بدل دے اور تاریخ انسانی کو تباہی کی طرف جانے سے روک کر بلندیوں کی طرف گامزن کردے اگر کوئی بیٹھ کر اس پر سوچے غور کرے تو یہ سب ناممکن معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے یقین کامل نے تائید الٰہی سے ممکن بنا دیا۔

ہمارا آج کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ ہم بات کرنے سے گھبراتے ہیں کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ کوئی ہماری بات کیوں سنے گا؟ ہمارا مذاق اڑائے گا۔ لیکن ان میں سے ایک بات بھی درست نہیں اس لئے کہ اللہ کے دین اور اللہ کے کلام میں نبی کریم ﷺ کی سنت میں خود یہ طاقت ہے کہ وہ شکست نہیں کھاتی اُسے روکا نہیں جا سکتا وہ اپنی قوت یعنی حق کی اپنی طاقت کے زور پر پھیلتی ہے خوش نصیب ہیں وہ جو اس کے پھیلانے کا سبب بن جاتے ہیں اور اس ڈر سے بیان نہ کرنا کہ لوگ کیا کہیں گے یا مذاق اڑائیں گے یا شان میں فرق آ جائے گا تو اس رویے کو قرآن حکیم نے منافقوں کا فعل قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا سوچتا ہے تو قرآن کی نظر میں یہ فعل مومن کو زیب نہیں دیتا یہ منافق کا کام ہے جس طرح اس آیت کریمہ میں منافقوں کی حالت بیان کی جارہی ہے واذا انزلت سورۃ ان امنوا باللہ وجاھدوا مع رسولہ کہ جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں حکم ہوتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ۔ یعنی ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا کام اور مومنین کی سب سے اہم ذمہ داری جہاد ہے جہاد سے صرف جہاد بالسیف ہی کو جہاد نہ سمجھا جائے بلکہ ہر وہ کوشش جو احیائے دین کے لئے کی جائے گی ہر وہ کام جو اطاعت الٰہی میں کیا جائے گا یہ سب جہاد ہے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اس دعوت الٰہیہ کو عام کرنے میں حضور ﷺ کے ہم رکاب ہو جاؤ۔ جہاد بالسیف اور قتال کی باری تب آتی ہے جب کفر اس میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور پھر بات زبانی رکاوٹ سے عملی رکاوٹ تک چلی جاتی ہے جب کفر تلوار اٹھاتا ہے تو مومن کو بھی تلوار اٹھانا پڑتی ہے ایسے وقت پر استاذنک اولوالطول منھم. وہ لوگ جن میں قوت کار ہے، قوت بیان ہے، سرمایہ رکھنے والے ہیں جو دین کی آبیاری کے لئے سرمایہ خرچ کر سکتے ہیں، ایسے لوگ جو صحت مند، تنومند ہیں فن حرب وضرب کے ماہر ہیں جو صاحب استعداد ہیں وہ لوگ حضور ﷺ سے معذرت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ مجبوری ہے وہ مجبوری ہے ہم سے نہیں ہو سکتا ہمیں اس سے مستثنیٰ کر دیں۔ وقالوا ذرنا نکن مع القٰعدین اور ہمیں پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہی رہنے دیں رضوا بان یکونوا مع الخوالف یہ اس بات پر راضی ہو گئے اس بات پر خوش ہو گئے کہ جو پیچھے بیٹھ رہنے والے ہیں جنہوں نے کلمہ تو پڑھ لیا، نماز بھی پڑھ لی، روزہ بھی رکھ لیا لیکن دین کی بات کرنے سے گھبراتے ہیں اسلامی ریاست کے دفاع کے لئے تلوار اٹھانے سے گھبراتے ہیں دین کے نام پر خرچ کرنے سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نماز روزہ کر رہے ہیں بس ٹھیک ہے۔ فرمایا وطبع علیٰ قلوبھم یعنی یہ ایسا جرم ہے کہ اُن کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے۔

دل تو وہ نعمت ہے جسے معرفت الٰہی کی توفیق نصیب ہے۔ انسان کے پاس سب سے قیمتی سرمایہ دل ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد پاک ہے کہ انسانی جسم میں گوشت کا ایک حصہ ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے سارے معاملات درست ہو جاتے ہیں عقائد سے لیکر معاملات دنیا تک درست ہو جاتے ہیں جن کے نتیجے میں آخرت درست ہو جاتی ہے اور اگر اس میں فساد آ جائے تو سارے کا سارا نظام سارا بدن اس کی ضرورتیں، اس کی دنیا اس کی آخرت ہر چیز تباہ ہو جاتی ہے فرمایا اچھی طرح جان لو کہ یہ دل ہے۔ دل ہی کو اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اس میں عشق رسول ﷺ پیدا ہوتا ہے۔ مہبط تجلیات الٰہی بنتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے یا ایسا کام کیا جائے کہ اللہ کریم ناراض ہو کر اُسے ریزہ ریزہ کر دیں وہ کام کرنے کے قابل نہ رہے تو ان کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے۔ پھر دل جسم کو خون پہنچانے کی مشین رہ جاتی ہے اس میں سے اوصاف انسانی ختم

کردیئے جاتے ہیں اور یہ ایسا مرض ہے کہ جب دل تباہ ہو جائے تو فھم لایفقھون عقل اندھی ہو جاتی ہے پھر ایسے لوگ بُرائی یا گناہ میں دھنستے چلے جاتے ہیں اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا اپنے طور پر بڑی کامیابیاں حاصل کر رہے ہوتے ہیں اور وہ ظاہری کامیابیاں درحقیقت ناکامیاں ہوتی ہیں جو انہیں لمحہ بہ لمحہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہوتی ہیں یہ ساری مصیبت نفاق کی ہے اس آیت میں اس وقت کے منافقوں کا طرز عمل بتایا جا رہا ہے وہ طرز عمل کیا تھا۔ یہی کہ کلمہ پڑھ لو نمازیں پڑھ لو مسلمان کو جو دنیاوی عزت واحترام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں وہ حاصل کرلو۔ اور جہاں کچھ دینا پڑے وہاں سے کنی کترا جاؤ اس منافقت کی سزا اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔

مسلمانوں کو اس طرز عمل سے منافقت کے طور طریقوں سے آگاہی دی جارہی ہے کہ یہ اعمال منافقانہ ہیں یہ رویہ منافقانہ ہے۔ مومن کو یہ اندازہ کرنا ہے کہ کافر یا منافق جیسا کوئی کام سرزد نہ ہو۔ بعض اوقات کسی مسلمان سے ایسا فعل صادر ہو جاتا ہے جو ایمان کے ساتھ میل نہیں کھاتا جو بندہ مومن کے اوصاف میں سے نہیں ہوتا جو منافقوں کا فعل ہوتا ہے اور مومن کے اس فعل کو منافق کے فعل سے مشابہت ہو جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے "من ترک الصلٰوۃ متعمداً فقد کفراً او کماقال رسول اللہ ﷺ۔ تمام علماء کے نزدیک ترک صلوٰۃ فسق ہے کفر نہیں۔ علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص صلوٰۃ کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر انکار نہیں کرتا اور ادا بھی نہیں کرتا تو فاسق ہے گنہگار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا اس حدیث پاک کی تشریح میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ اس نے ایسا کام کیا جو کافر کرتے ہیں یعنی اس نے مسلمان ہوتے ہوئے کافروں جیسا کام کیا اور کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے کافروں جیسا فعل کرے۔

اس آیت میں بھی اس مشابہت فی الفعل کی بات ہو رہی ہے کہ مسلمان کو شایان نہیں کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے منافقوں جیسا فعل اختیار کرے۔ ہاں غلطی کا احساس ہو جائے تو بہ نصیب ہو جائے رجوع الی اللہ نصیب ہو جائے اصلاح احوال کی طرف بندہ متوجہ ہو جائے تو اللہ غفور الرحیم ہے۔

انسانی علوم اور اس کا شعور اتنا وسیع ہے ہی نہیں کہ وہ صفات باری کا ادراک کر سکے لیکن اللہ کی صفت رحمت کے بارے یہ گمان ہونا بے حد ضروری ہے کہ اللہ بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے بندے کو پتہ ہونا چاہیے کہ اللہ میرے علوم میرے فہم وادراک سے زیادہ، بہت ہی زیادہ رحیم ہے مجھے اللہ کریم سے بھاگنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ میں بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں ہر جگہ وہ ہی وہ ہے اور وہ ایسا کریم ہے کہ جسے کوئی بندہ بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں جس کی بات سننے کو بھی کوئی تیار نہیں وہ اس بندے کے لئے بھی اپنے خادموں سے اعلان کرواتا ہے کہ آجاؤ میری بارگاہ میں آؤ مجھ سے باتیں کرو اپنے دکھ درد مجھ سے بیان کرو اور میری رحمت سمیٹ کر لے جاؤ۔ تو چاہیے کہ بندہ اللہ کی رحمت سے ہمیشہ پر امید رہے غلطی ہو جائے تو توبہ کرے اور سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی دعوت الی اللہ دی جائے جب یہ ضروری ہے کہ کفار ومشرکین ومنافقین سب کی بھلائی کے لئے انہیں حق کے راستے کی دعوت دی جائے اس کے لئے محنت کی جائے تو یہ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس بدنصیب عہد میں جہاں مسلمان ترک عمل میں گرفتار ہیں غلط عقائد میں پڑ گئے ہیں وہاں ان مسلمانوں پر محنت کی جائے ذکر قلبی

براہ راست دل کی اصلاح کرتا ہے دل ہی درست ہو جائے تو افکار واعمال' نظریات وکردار سب کی اصلاح ہونا شروع ہو جاتی ہے۔بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ نبوت کا اظہار ضروری ہے اور ولایت کا استخفاء واجب ہے کہ نبوت کو ظاہر کرنا ضروری۔ہے اور ولایت کو چھپانا ضروری ہے ہم نے شاید اس قول کا مفہوم غلط سمجھا ہے۔ ولایت کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نام سے کرامات منسوب کر کے اپنی بڑائی بیان نہ کرتا پھرے اور نبی کا معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے اور نبیؐ اسے اللہ کے پیغام کی عظمت کے لئے اپنے دعوے کی صداقت کے لئے بیان کرتا ہے اور نبیؐ کی نبوت کو تسلیم کرنا ایمان کی شرط ہوتی ہے۔ انبیاء کرام اسی لئے اپنے معجزات بیان فرماتے ہیں اُن معجزات کا ظہور بھی علی الاعلان ہوتا ہے اور ان کا بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور بحکم الٰہی ہوتا ہے جبکہ کسی بھی ولی کی ولایت پر ایمان لانا شرط ایمان نہیں نہ یہ کسی کی مجبوری ہے اس لئے ولی اللہ اپنی کرامات کو چھپائے کہ کہیں ان میں اپنی بڑائی کا کوئی پہلو نہ نکل آئے۔اب اس قول سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ دعوت ذکر دینا ذکر اللہ' ذکر قلبی کے فضائل بتانا یا تصوف وسلوک کا کام کرنا ہی ولایت کو چھپانے کے زمرے میں آتا ہے تو یہ بات سارا دین مٹانے کے برابر ہے۔ حضرتؒ نے اسی کے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر تو تصوف وسلوک دین ہے۔ہم اللہ کی عظمت کے لئے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں اور ان کے دلوں میں خلوص پیدا کرنے کے لئے دعوت دے رہے ہیں ان میں دین پر عمل کی استعداد بڑھانے کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور اگر یہ دین ہے تو پھر اس کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ دین چھپایا نہیں جاسکتا دین تو بتایا جائے گا دین کی تو دعوت دی جائے گی اور اس لئے ضروری ہے کہ ہر ساتھی داعی بھی ہو دعوت دینے والا بھی ہو۔

ہم میں ایک خرابی آ گئی ہے کہ دین کی جامعیت کے شعور سے بے بہرہ ہو گئے ہیں دین کے کئی شعبے ہیں اور ہر شعبہ دین کا ہی حصہ ہے اگر قاری تلاوت قرآن کا طریقہ سکھا رہا ہے تو وہ دین کا کام کر رہا ہے جہاد کی تربیت دینے والا بھی دین کا کام کر رہا ہے لوگوں کو نیک اعمال کی تلقین کرنے والا بھی دین ہی کا کام کر رہا ہے اور دین کی تبلیغ کرنے والا بھی دین ہی کا ایک شعبہ سنبھالے ہوئے ہے لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم جس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں اس پر اصرار کرتے ہیں کہ صرف یہی دین ہے اور اس سے باہر کوئی دین نہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ سارے شعبے دین ہی کے ہیں ان میں اتحاد' نظم اور ترتیب ہونا ضروری ہے سب مل کر کام کریں اور نظم وضبط سے کریں۔صوفی یا سالک راہ تصوف کا مسافر جسے اللہ اس راہ پر چلنے کی توفیق دے وہ دین کی جامعیت کا شعور رکھتا ہے وہ کسی ایک شعبے پر ہی کام نہیں کرتا وہ دین کے سارے شعبوں میں حسب ضرورت کام کر سکتا ہے' حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صوفی وہ خادم ہوتے ہیں جنہیں اجیر کہا جاتا ہے اجیر اس غلام کو کہتے ہیں کہ جو بوقت ضرورت جو کام اُسے کہا جائے وہ کر سکے۔ دین میں اجیر وہ ہوتا ہے کہ جس شعبے میں بھی ضرورت ہو اُسے کام دیا جا سکے لہٰذا جو اس راستے پر چلتا ہے وہ صوفی کہلاتا ہے اور صوفی اجیر ہوتا ہے اُسے تدریس بھی کرنی ہے جہاد ومجاہدہ بھی کرنا ہے بلکہ زندگی کے سارے شعبوں میں حسب ضرورت وحسب استعداد کام بھی کرنا ہے۔

یہ دور عمومی گمراہی کا دور ہے۔ دور ونزدیک کے حالات سے جتنی میری واقفیت ہے ای میل۔ ڈاک' ملاقات' ٹی وی' اخبارات اور لوگوں سے لین دین میل جول سے جو منظر میرے سامنے ہے جو میں سمجھا ہوں تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ عہد عمومی گمراہی کا ہے اس میں سوائے دل کی اصلاح کے دل کے بدلنے کے نور نبوت کو دل میں

اُتارنے کے سوائے ذکرِ قلبی کے کوئی جائے پناہ نہیں رہی۔

اگر کسی کو یہ نصیب نہیں تو جو عقائد بھی بچا کر لے جائے اعمال کی بات تو دور ہے اس زمانے میں جو بندہ عقیدہ بچا کر دنیا سے چلا جائے میں سمجھتا ہوں وہ ولی اللہ ہے اس پر اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ ذکر قلبی سے اگر کسی کو بہت کم فائدہ ہو تو یہ ضرور ہوتا ہے کہ اسکے عقائد درست ہو جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر فائدہ یہ ہے کہ توفیق عمل بھی نصیب ہو جاتی ہے اور خلوص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

یہ ہم سب کے ذمے ہے کہ ہم اس کے لئے کوشش کریں، عمل کریں، عملی تبلیغ کریں، اور زبانی بھی یہ بات دوسروں تک پہنچائیں، ذکر قلبی کروائیں۔ اس زمانے میں انٹرنیشنل میڈیا پر مشرک اور کافر بندروں، چوہوں اور جانوروں کی پرستش کی دعوت کس اعتماد سے دے رہے ہیں یہودی اور عیسائی اپنی بے ہودہ اور فضول باطل اور خود ساختہ رسومات کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کر رہے ہیں اور مسلمان اور پھر صوفی حق بیان کرنے کے لئے جھجک رہے ہیں جھجک اور گھبراہٹ نقصان کا باعث ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ بندے کے اپنے یقین میں کمی ہے بندہ گھبراتا ہی تب ہے جب اسے خود یقین نہیں ہوتا۔ جب خود کو یقین ہو جائے تو بندہ بات کہے بغیر رہ نہیں سکتا۔

مجھے ساتھیوں کے خطوط میں یہ بات اکثر ملتی ہے کہ میں بیان کرنے سے یا یہ بات کسی سے کہنے سے گھبراتا ہوں میں انہیں لکھتا ہوں کہ آپ نے دنیا کے کاموں میں کسی چیز کو خریدنے یا بیچنے میں گھبراہٹ محسوس نہیں کی ہوگی اس لئے کہ آپ کو اپنے کام پر تسلی محسوس ہوتی ہے لیکن دین کی بات کہتے ہوئے اس لئے گھبراتے ہیں کہ ابھی آپ کے دل کو یقین کی وہ کیفیت حاصل نہیں کہ اس پر تسلی ہو جائے جب اپنے اندر کمی ہو تو بندہ بات کرنے سے گھبراتا ہے اور جب خود کو یقین کامل نصیب ہو جائے تو پھر گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ اللہ کریم سب کو توفیق عمل دے لیکن ذکر قلبی کو اپنے مجاہدے کا اولین حصہ سمجھیں صرف ذکر کرنے سے لطائف کرنے سے صرف اجتماع میں آنے سے بات نہیں بنے گی اس کو دوسروں تک پہنچانا بھی بنیادی ضرورت ہے اور اس عہد میں تو بے حد ضروری ہے کہ جب دنیا سے خلوص اٹھ رہا ہے علم اٹھ رہا ہے عمل اٹھ رہا ہے تو ایک راستہ آپ کے علم میں ہے آپ کا آزمودہ ہے آپ اس سے اس گمراہی کا مداوا کر سکتے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے، اللہ کریم اس کی توفیق دیں اور قبول فرمائیں دعا کرتا ہوں اللہ سب کو یقین کامل کی دولت سے مالا مال کرے اور سب کو دین کی خدمت کرنے کا موقع نصیب فرمائے۔ سب کی دنیا و آخرت اپنی رحمت سے سنوار دے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

قارئین المرشد متوجہ ہوں!

لاہور میں ماہنامہ المرشد اب مارکیٹ سے بھی دستیاب ہے اور ہاکر سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

رابطہ: شفیق نیوز ایجنسی

1- میو ہسپتال روڈ اخبار مارکیٹ لاہور

نوٹ۔ فی الحال یہ سہولت صرف لاہور شہر کیلئے ہے۔

042-7236688=Mob:0300-9477121

اللہ پر اعتماد اور آخرت پر یقین

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 23-07-2007

الحمدللّٰہ رب العٰلمین○

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَّالہٖ

واصحابہٖ اجمعین○

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیم○

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیمِ○

لیس لک من الامر شیءٍ اویتوب علیھم او یعذ بھم

فانھم ظلمون واللّٰہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض.

یغفرلمن یشاء ویعذبُ من یشاء واللّٰہ غفور رحیم○

اللھم سبحنک لا علملنا الا ما علمتنا انک

انت العلیمُ الحکیم

مَولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا ابداً

عَلٰی حَبِیبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ العُصُروا

اے میرے حبیب ﷺ آپ کی سفارش، آپ کی شفاعت عظیم تر ہے لیکن ان لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ کچھ کلام نہ فرمائیے کہ انہوں نے صرف آپ ﷺ سے الگ ہونے کا فیصلہ ہی نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے پیغام کو مٹانے کا بھی فیصلہ کرلیا ہے انہوں نے خود اپنے لئے شفاعت کے دروازے بند کر لیے ہیں اب ان کا معاملہ میرے اور ان کے درمیان ہے میں چھوڑ دوں تو کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں اور عذاب دوں تو کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا اللہ کریم نے فرمایا اس فیصلے میں آپ کو دخل نہیں ویسے بھی کائنات کا نظام اتنا وسیع اور اتنا باریک ہے کہ اُسے بنانے والا ہی اُسے جانتا ہے اسکی وسعتیں ناپیدا کنار ہیں کوئی کائنات کی انتہا کو اپنی عقل یا علم سے پا نہیں سکتا اور اس کے نظام میں اتنی باریکیاں ہیں کہ رب کائنات ہی اس باریک بینی سے اپنی قدرت کاملہ کے تحت اسے چلا رہا ہے۔ خود اس عالم آب و گل ہی کو دیکھ لیں کہ اسقدر وسیع وعریض جہان ذروں کے امتزاج سے بنا ہے انہی ذرات کے ایک مقررہ اندازے سے ملنے سے مختلف اجسام بنتے ہیں کہیں چوپائے ہیں کہیں پرندے، کہیں سمندر اور کہیں پہاڑ کہیں برف اور کہیں چشمے انہی پہاڑوں میں کہیں لاوا اُبل رہا ہے اور کہیں میٹھے پانی کی ترسیل ہو رہی ہے۔

اپنی ذات کیطرف نگاہ کریں تو ہماری غذا بھی ذرات ہی کا مجموعہ ہے اور ہمارا وجود بھی انہی ذرات سے ترتیب دیا گیا ہے تو یہ ذرات کہاں کہاں سے دنیا کے کن کن گوشوں سے اور کس کس روپ میں تبدیل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچتے ہیں کبھی غذا کی صورت میں اور کبھی دوا کی صورت میں کہیں یہ غلہ بنتے ہیں کہیں پھل کہیں گوشت اور کہیں دودھ پھر کہاں کہاں سے سفر کر کے اس شخص تک پہنچتے ہیں جس کے لئے اللہ نے وہ حصہ مقرر کر رکھا ہوا ہے اس کے حصے کے ذرات کسی دوسرے یا تیسرے جسم کو نہیں پہنچائے جاتے بلکہ مر کے انسان کی خاک اتنی منتشر نہیں ہوتی جتنا اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے وجود کے ذرات دنیا کے گوشوں تک بکھرے ہوتے ہیں۔ کہاں کہاں سے لاتا ہے؟ کس طرح پہنچاتا ہے؟ کس طرح تقسیم فرماتا ہے ایک ہی

وجود میں بندے کا اپنا حصہ بھی ہے اور آنے والے انسانوں کا حصہ بھی محفوظ رکھا ہوا ہے' باپ کے صلب میں محفوظ رکھا ہے اور شکم مادر میں بھی ہر بچے کا اپنا حصہ ہے۔ ماں غذا اور دوا لے رہی ہے اس کے وجود کو کتنا حصہ ملے گا اور بچے کو کتنا تقسیم ہوگا اس کے حساب سے ماں کا حصہ ماں کو اور بچے کا حصہ بچے کو جاتا ہے پھر آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کا حصہ اس بچے کو نہیں ملتا اور اس بچے کا حصہ آئندہ آنے والوں کو نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ ہر ایک کام کا ایک وقت مقرر ہے اپنے طے شدہ وقت پر ہی بغیر کسی لمحے کی تاخیر کے عین وقت پر ہر ذرہ وجود اسی مقررہ وجود تک پہنچتا رہتا ہے سو یہ طے شدہ وسیع اور باریک پروگرام ہے جسے رب کائنات خود اپنی قدرت کاملہ سے قائم رکھے ہوئے ہے اور اسے چلانا خالق کائنات کا ہی خاصہ ہے۔ جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے اس میں فتح وشکست' زندگی اور موت' صحت و بیماری سب اس کے اپنے فیصلے ہیں اور اپنے فیصلوں میں وہ مطلقاً آزاد ہے۔

اس ساری تعمیر کے بعد اللہ نے انسان کو ایک اعزاز عطا فرمایا وان ھدینه ' السبیل اما شاکراً واما کفوراً . اسے صراط مستقیم کی ہدایت دی گئی اُسے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا' راستہ اسکے لیے واضح کر دیا گیا۔ اسے راستہ چن لینے کا اختیار دیا گیا اور فیصلہ کرنے اور عمل کرنے کے لئے مہلت دی۔ دونوں راستے اچھی طرح واضح کر دیے اب اسے بااختیار بنا دیا ہے کہ دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ منتخب کرتا ہے اما شاکراً واما کفوراً شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا۔ اطاعت کا یا نافرمانی کا۔ ایمان کا یا کفر کا، یہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ کہاں جاتا ہے جب وہ اس اختیار کو استعمال کرتا ہے تو انتخاب کے مطابق اس کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اس اختیار کو اللہ کی عظمت ، نبی کریم ﷺ کی صداقت، آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، جس نے آپ ﷺ کے پیغام کو روکنے کے لئے آپ ﷺ کی اطاعت سے روکنے کے لئے اپنی طاقت وقوت صرف کی وہ آپ ﷺ کے دامن عالی سے نہ صرف الگ ہوا بلکہ خلاف ہو گیا تو اس نے اللہ کے عطا کردہ اختیار کو استعمال کر کے اپنا فیصلہ کر لیا ۔ اس کے پاس دونوں راستوں کو چننے کا اختیار تھا، یا تو اس رحمت مصطفےٰ ﷺ سے وابستہ ہو جاتا ،اس کے اعمال میں اگر کمی رہ جاتی تو حضور ﷺ کی شفقت کام آجاتی یا اس سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تو حضور ﷺ کی شفاعت کام آجاتی اور دوسرا راستہ اس کے مخالف تھا۔ اس نے نہ صرف دامان رحمت کو چھوڑا بلکہ اپنی ساری طاقت مخالفت پہ لگا دی تو اب میرے حبیب ﷺ آپ مداخلت نہ کریں اس کے حق میں آپ لب کشائی نہ فرمایے لیس لک من الامر شئی ' ان لوگوں کے فیصلے میں آپ کو کوئی دخل نہیں انہوں نے آپ ﷺ کی ذات والا صفات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ مخالفت کی حد کر دی آپ ﷺ کی ذات کو ایذا پہنچائی آپ ﷺ کے متبعین کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوشش کی اب یہ آپ کی سفارش کے مستحق نہیں رہے یہ اُن کا اپنا فیصلہ ہے یہ مصیبت اُن پر اللہ نے نہیں ڈالی اللہ کریم نے تو آپ ﷺ کی صورت میں اپنی نعمت رحمتہ اللعالمینی سب کے لئے عام کر دی لیکن انہوں نے جو فیصلہ کیا اور جس راستے کو اختیار کیا اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے حق میں بیان کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی اور رہا معاملہ میرا اور میرے بندوں کا تو او یتوب علیھم او یعذبُھم میں چھوڑ دوں تو کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں عذاب دوں تو کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا اللہ اپنے فیصلے کرنے میں مطلقاً آزاد ہے کوئی فیصلہ اس پر لازم نہیں کیا جا سکتا اور اسی رب رحیم نے انسان کو اپنے لئے فیصلہ کرنے کا حق دے دیا ہے اجازت دی ہے' مہلت دی ہے' درست فیصلہ کرنے کے لئے ہدایت کے سارے اسباب بنائے ہیں

ہر بندہ اپنے لئے خود فیصلہ کرتا ہے جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے تو اللہ کریم اس پر عمل درآمد کا حکم دے دیتے ہیں۔ یہ آیت اس واقعے کے ساتھ مربوط ہے جب میدان احد میں حضور ﷺ زخمی ہوئے وجود اقدس لہولہان ہوا تو آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے بے ساختہ نکلا کہ اس قوم کا بھلا کیسے ہوگا جس نے اپنے نبی ﷺ کو ایسی تکلیف سے دوچار کیا یہ اس قوم کا اتنا بڑا جرم تھا یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ آپ ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہ سنائیے نہ آپ سفارش کیجئے نہ سزا تجویز فرمایئے اپنے لب ہائے مبارک اس معاملے میں مت کھولیے اب یہ ان کا اور میرا معاملہ ہے آپ اس معاملے میں سکوت فرمایئے۔ اس بات سے پتہ چلے گا کہ دنیا میں جو فیصلے کئے تھے ان کے اثرات کتنی دور تک گئے اور کس شدت سے ہمیشہ رہنے والی زندگی کو متاثر کر گئے میدان حشر میں بھی اللہ کریم بندے کے اپنے کئے ہوئے فیصلے اس کے سامنے رکھ دے گا بندے کے اپنے فیصلے ہی اس کا اعمال نامہ ہیں۔ کہا جائے گا اقراء کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا پڑھ لو اپنے کئے ہوئے فیصلے اور آج تم ہی اپنے بہترین جج ہو اپنا فیصلہ خود ہی کر لو۔

دنیا میں ہر آن ہم دو میں سے ایک کا انتخاب کرتے ہیں یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا۔ یہی سب کچھ لکھا جا رہا ہے کمانے کے وقت ناجائز مال مل رہا ہے تو فیصلہ تو ہمارے پاس ہے لینا ہے یا نہیں۔ عبادت کا وقت ہے ہم پر فرض ہے ادا کرنی ہے یا نہیں یہ فیصلے ہمارے ہیں دنیا میں ہمیں اختیار بھی ملا مہلت بھی ملی، شعور و ادراک بھی ملا تو ہم درست فیصلے کیوں نہیں کرتے؟ ہمارے یقین میں کمی ہے درست فیصلے کرنے کے لئے بندے کے اندر ایک یقین چاہیے کہ حرام سے بچنا میری اپنی ضرورت ہے عبادت کرنا میرے لئے باعث راحت ہے۔ ایک اعتبار چاہیے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جو فرمایا ہے سچ فرمایا ہے آخرت ہے برزخ ہے قبر کے سوال جواب اور حشر کی پرسش پر یقین چاہیے اس بات پر یقین چاہیے کہ جزا سزا ہے جنت ہے جہنم ہے اور وہاں بھی انسان کے اپنے کئے گئے فیصلوں کے مطابق اس کا ٹھکانہ ہے۔ مجھے خط لکھے جاتے ہیں کہ مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی کوئی علاج بتائیں مجھ سے ذکر نہیں کیا جاتا کوئی علاج بتائیں میں نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا ہے کہ اس کا علاج نماز پڑھنا ہے ذکر نہیں ہوتا تو ذکر کرنا ہی اس کا علاج ہے یہ کام کسی دوسرے کے تعاون سے نہیں ہوتے یہ انسانی فیصلے پر منحصر ہوتے ہیں مجھے آج تک کسی نے خط میں یہ نہیں لکھا کہ مجھ سے کھانا نہیں کھایا جاتا یا باقی ضرورتیں پوری نہیں کی جاتیں۔ بندہ زندگی کے سارے کام بھاگ دوڑ کر کرتا ہے اور ہر روز کرتا ہے صرف اللہ کی یاد اللہ کا ذکر اور اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کاموں کی ہمارے نزدیک اہمیت ہے ہم سمجھتے ہیں کہ کام نہیں کریں گے تو گزر بسر کیسے ہوگی کھائیں گے کہاں سے؟ اور نماز کی باری آئے تو جو اہمیت لقمہ رزق کی ہے اتنی اہمیت بھی اسکی ہمارے دل میں نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر بھی گزارہ ہو جاتا ہے کام پر نہ جائیں تو تنخواہ کٹتی ہے ضروریات زندگی متاثر ہوتی ہیں نماز نہ پڑھنے سے کوئی جرمانہ نہیں ہوتا نہ تنخواہ کٹتی ہے کچھ بھی نہیں ہوتا پڑھ لی ٹھیک ہے نہ پڑھی خیر ہے ایسا اس لئے کہ ہمارے یقین کی رسائی اس تنخواہ تک ہے اس مزدوری پر ہے جس پر ہمارا گزارہ ہے اگر ہمارے ذہن و دل کی رسائی آخرت تک ہو جائے تو پھر سمجھ آ جائے کہ ایک سجدہ چھوڑ دینا کتنا بڑا نقصان ہے اس کا آخرت میں کتنا خسارہ ہوگا کتنا اجر کٹ جائے گا کتنا جرمانہ ہوگا اور جتنے سجدے رہ گئے انکی وہاں کتنی ضرورت ہوگی جہنم کے اوپر پل صراط ہے وہاں اعمال پورے نہ ہوئے اور توازن برقرار نہ رہا تو نیچے تو جہنم کی آگ ہے۔

یہ سب کچھ ہم سنتے تو رہتے ہیں لیکن سننے اور ماننے میں بڑا

فاصلہ ہے اگر دل مان جائے تو چھوڑنے کو دل نہیں مانتا اور دل مان جائے تو اللہ کریم توفیق عمل بھی عطا کر دیتے ہیں والذین جاھد و فینا لنھدینھم سبلنا. جولوگ میری رضا کو پانے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں ان کے لئے ایک نہیں کئی اسباب بنا دیتا ہوں آسانیاں پیدا فرما دیتا ہوں توفیق عطا کر دیتا ہوں ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہوں جواُسے نیکی کے راستے پر چلنا سکھاتے ہیں۔

اس طرح تمام وسائل ہدایت مہیا کرنے کے بعد اللہ کریم نے انسان کو یہ اختیار دے کر اس کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں دے دیا تو پھر ہم سے نماز نہیں پڑھی جاتی' مفادات کی خاطر حلال حرام کی تمیز نہیں رہتی تو یہی طرز عمل تو کافروں کا بھی ہے وہ بھی آخرت کو دیکھ کر جہنم کو دیکھ کر، انجام بد کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج پھر دیکھ ہم کس طرح تیری عبادات کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے یہی تو آزمائش ہے یہی ایمان بالغیب ہے اس یقین کو زندہ رکھنا ہی سارا کام ہے ورنہ دنیا میں بھی کسی کو کسی پہاڑی کے کنارے کھڑا کر دیں جس کے ایک طرف بیس فٹ کا گڑھا ہوا تو وہ شخص اپنی ساری توانائی لگا دے گا کہ وہ گڑھے میں گرنے سے بچے اور اس طرف چلا جائے جو جگہ ہموار ہو میدان ہو کوئی اسے دھکا دے کر بھی گرانے کی کوشش کرے تو وہ خود کو گرانے سے بچانے کے لئے پوری کوشش کرے گا کیونکہ اسے گڑھے کے ہونے کا یقین ہے اسے یقین ہے کہ گرنے سے ٹانگ ٹوٹ سکتی ہے سر پھٹ سکتا ہے وہ زخمی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ فرض سجدہ نہیں کروں گا تو جہنم میں گر جاؤں گا حرام سے نہیں بچوں گا تو آگ میں گروں گا تو پھر وہ درست فیصلے کیسے نہیں کرے گا! درست فیصلے کرنے کے لئے وظیفوں کی ضرورت نہیں ضرورت یقین اور ایمان کی ہے جس قوت کا یقین ہوگا اُسی قوت سے عمل ہوگا اور اس کا بہترین وظیفہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب پڑھیں۔ اللہ کریم سے خود بات کریں قرآن ہر پڑھنے والے سے مخاطب ہوتا ہے دوسروں کے لئے نہیں اسے اپنے لئے پڑھیں دیکھیں قرآن کیا بتا رہا ہے انسان کو اس کے اعزاز عطا کئے جانے کا احساس کروا رہا ہے اُسے بتاتا ہے کہ ساری کائنات میں تم معزز ہو تمہیں اللہ نے بااختیار بنایا ہے تم اپنے بارے میں فیصلہ کرنے میں بااختیار ہو۔ تم نظام کائنات چلانے میں بے اختیار ضرور ہو کہ یہ اللہ کی کائنات ہے اور وہ اپنے فیصلوں میں مطلقاً آزاد ہے لیکن اس نے تمہیں اپنے لئے راستہ اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور تمہارے فیصلے اتنے موثر ہوتے ہیں کہ دنیا کی زندگی سے آخرت کی ابدالآباد کی زندگی تک محیط ہیں پھر انسان درست فیصلے کیوں نہیں کرتا جبکہ اُسے بتا دیا گیا ہے کہ اسکے اپنے فیصلے ہی اس کا اعمالنامہ ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟ یقین میں کمی' اس کا علاج کیا ہے؟ دل کو منالو دل کو غذا دو دل زندہ ہو تو اپنے بھلے بُرے کو پہچانتا ہے اس ادراک وشعور پر درست فیصلے کرتا ہے اور اگر دل زندہ نہ ہو دل ہوش میں نہ ہو دل نہ مانے تو پھر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھ سے عبادت نہیں ہوتی مجھ سے اطاعت الٰہی نہیں ہوتی۔ یہ فیصلہ کرنے والا انسان اس وقت بھول جاتا ہے کہ یہ نہیں کہنا کہاں تک اثرات پہنچائے گا یہ عبادت کس کی ہے؟ کس نے کرنے کا حکم دیا ہے کس کی بارگاہ میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے تو مجھے یہ کرنے کو کہا لیکن مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا' اس طرح اپنا تجزیہ کرے تو بندے کو احساس ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی بات کہی جا رہی ہے۔ رہا اللہ کریم کا معاملہ تو وہ کسی پر کرم کر دے تو نیکی کی توفیق عطا کر دے یا عذاب دے وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہے لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ فانھم ظلمون کہ انہوں نے ظلم کی حد کر دی اور جہاں تک اللہ کی عظمت کا تعلق ہے اللہ ما فی السموٰت وما فی الارض. آسمانوں اور زمینوں کی کائنات کا ذرہ ذرہ اسکی ذاتی ملکیت ہے کسی کو

حق حاصل نہیں کہ یہ سوال کرے کہ یہ درخت کیوں کھڑا ہے؟ اور دوسرا جل کیوں گیا؟ یہ بیج کیوں اُگا اور دانہ کیوں نہیں اُگا؟ یہاں بارش کیوں برسی؟ اور وہاں کیوں نہیں برسی؟ آج دھوپ تیز کیوں ہے اور کل کیوں نہیں تھی؟ یہ اُس کا اپنا نظام ہے اور وہ خود مالک ہے اور واحد مالک ہے یغفر والمن یشاء ویعذب من یشاء یہ اسکے اپنے فیصلے ہیں اُن فیصلوں میں سے اس نے انسان پر بڑا کرم فرما دیا کہ اُسے اتنے بڑے فیصلے کا اختیار دے دیا کہ وہ اپنے لئے کیا منتخب کرتا ہے؟ غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے یا رحمت الٰہی کا طالب ہے۔ واللہ غفور رحیم۔ اللہ معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے اسکی رحمت و بخشش اپنی مخلوق کو عذاب دیکر راضی نہیں ہوتی اسکی رضا یہ ہے کہ بندہ عذاب سے بچ جائے لیکن وہ بندہ کتنا بد بخت ہے جو اتنے رحیم و کریم رب کی بارگاہ سے عذاب خریدے وہ ذات کہ جس کی رحمت میں اس کا کوئی ثانی نہیں اسکی مغفرت کی کوئی انتہا نہیں اس کریم کی بارگاہ سے اپنے لئے سزا حاصل کرنے والا کتنا بد بخت ہے اور اس نے اپنے لئے کتنا بُرا فیصلہ کیا ہے کہ مجھے تیرے کرم کی ضرورت نہیں میں عذاب ہی میں رہوں گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دینی پیشوا ہمیں دنیا ہی میں اتنا حقیقت پسند بننے میں مدد دیں جتنی حقیقت قرآن کھول کر بتاتا ہے لیکن آج ہمارے رہنما ہمیں اس کام کے لئے وظیفے بتاتے ہیں ٹی وی پر ایک مولانا دو نفل پڑھنے کا طریقہ بتا رہے تھے کہ اس خاص ترتیب سے سورتیں پڑھی جائیں تو حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ ہوتی ہوگی لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ حرام کھاتا ہو چوری کرتا ہو بے دین ہو بدکاری کرے اطاعت پیغمبر سے محروم ہو تو صرف دو نفلوں سے اُسے زیارت نصیب ہو جائے' ان مولانا سے کوئی پوچھے کہ لوگوں کو حقیقت پسند کیوں نہیں بناتے جیسا قرآن بتاتا ہے ویسا کیوں نہیں بتاتے؟ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ سے فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں آپ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں یا آپ کے نقش قدم کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں تو دراصل یہ خود کو تباہ کر رہے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ سے کلی طور پر محروم کرلیا ہے فانھم ظلمون انہوں نے اپنے لئے سارے دروازے بند کر دیئے لہٰذا آپ ﷺ ان کی پرواہ مت کیجئے ان کے بارے اپنے لب مبارک مت کھولیے یہ میں جانوں اور یہ جانیں۔

ہمارے رہنما بجائے اس کے کہ اپنی عملی زندگی کو نبی کریم ﷺ کے زیر فرمان لانے کیلئے کہیں اس کے لئے محنت کریں اور کروائیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس خاص ترتیب سے دو نفل پڑھ لو خواہ حرام کھاؤ خواہ حضور ﷺ کے دین سے عملاً دور رہو تو اس طرح کرنا تو توہین ہے اور پھر وہ نفل پڑھیں گے ہی کیوں!

نوافل کی باری تو تب آتی ہے جب فرائض پورے ہو جائیں۔ سب سے مقدم فرائض ہیں سنت کی باری فرائض کے بعد ہے نفل کی باری سنت کے بعد ہے اور فرائض صرف نماز میں ہی نہیں ہیں زندگی کے سارے فرائض اتنے ہی اہم ہیں جتنے نماز کے فرائض۔ بندے کے فرائض میں رزق حلال کمانا' جائز ناجائز میں فرق کرنا اطاعت اور عدم اطاعت میں فرق کر کے اطاعت پر قائم رہنا سب شامل ہے۔ سنن اور نوافل کی حیثیت یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوئی سستی رہ جائے خلوص میں کمی رہ جائے تو سنن اور نوافل اس کمی کو پورا کرتے ہیں عمل میں کوتاہی کی مرمت کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی دیوار ہو اس میں کہیں کہیں مرمت کی ضرورت ہو تو بندہ زائد سیمنٹ مسالہ لیکر اس کی مرمت کر دے اور اگر دیوار ہی نہ ہو اور زائد مسالہ سیمنٹ لیکر بندہ گھولے کہ اس نے دیوار کی مرمت کرنا ہے تو فرض چھوڑ کر نفل پڑھنا بھی ایسے ہی ہے۔ فرض مقدم ہیں نفل زائد ہیں۔ زندگی کے

سارے فرائض ہی مقدم ہیں اور ترک فرض کے بعد نفل کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی یہ ایسے ہی ہے کہ کسی نے دس لاکھ کاروبار میں لگائے اُسے لاکھ منافع آ گیا تو کیا وہ اپنے اصل دس لاکھ کو ضائع کر دے گا کہ اب اُسے لاکھ کا منافع ہو گیا ہے اس طرح تو اُسے لاکھ کا منافع نہیں نو لاکھ کا نقصان ہو جائے گا اصل قائم رہے اور زائد میں منافع ہو تو پھر منافع کہیں گے اور اگر اصل رقم ڈوب گئی اور ایک لاکھ جو منافع تھا وہ بچ رہا تو وہ نقصان کہلائے گا تو نوافل اور وظیفوں اور چلوں کی حیثیت منافع کی ہے اور فرائض کی حیثیت اصل کی ہے۔

زندگی کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے جیسا قرآن حکیم کا مطالبہ ہے جیسا نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے کہ اپنے اختیار کو بندہ سوچ سمجھ کر استعمال کرے اللہ کریم توفیق دے تو آدمی فیصلہ لکھتے وقت سوچے' فیصلہ کرتے وقت سوچے کہ اس کا اطلاق اسکی اپنی ذات پر ہوگا اور یقیناً ہوگا زندگی گزارتے ہوئے یہ خیال رکھے اور کوئی اتنی دور بھی نہ نکل جائے کہ اللہ اُسے اطاعت پیغمبرؐ سے محروم کر دے یہی سب سے بڑا خسارہ ہے کہ بندہ ایسے فیصلے کرے کہ جس پر شفاعت سے محروم ہو جائے اور یہ یقیناً بہت ہی بڑا خسارہ ہے۔

اللہ کی ذات کی عظمت اسکی بخشش اور اسکی رحمت کی وسعت کی کوئی حد نہیں لیکن جو شخص رحمت و بخشش کو چھوڑ دے آپ ﷺ کی غلامی چھوڑ دے۔اس سے آپ ﷺ کا اتباع چھوٹ جائے تو جس سے رحمت الٰہی کا دامن چھوٹ گیا تو باقی کیا بچا! ہمیں زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونا چاہیے جسے ہم بیوقوف اور جاہل کہتے ہیں اُسے بھی پتہ ہے زندہ رہنے کے لئے کھانا ہے پینا ہے' سونا ہے' جاگنا ہے' اپنی بقاء کا ادراک تو اُسے بھی ہے اور جسے ہم بہت پڑھا لکھا اور مدبر انسان سمجھتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ اپنی اُخروی بقاء کے لئے درست فیصلے کرے ایک مرتبہ ہم حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ قاضی صاحب اللہ غریق رحمت کرے وہ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ کسی ساتھی نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے نہرو کی تعریف کی کہ وہ بڑا مدبر شخص تھا اس کے فیصلوں سے بڑی دنیا متاثر ہوئی زبردست قابل آدمی تھا۔ قاضی صاحب نے پوچھا کس کی بات کر رہے ہو۔ ساتھی کہنے لگا نہرو کی بات ہو رہی ہے ہندوستان کا وزیراعظم جو حال ہی میں مرا ہے۔ قاضی صاحب کہنے لگے تم کہتے ہو بڑا مدبر تھا۔ اگر مدبر ہوتا تو اسلام قبول نہ کر لیتا جو ساری زندگی حق و باطل کو نہیں سمجھ سکا وہ کیسا مدبر ہے! اگرچہ انہوں نے سادگی میں یہ بات کہی لیکن بات بڑی پتے کی کہی۔

دراصل بات صرف اتنی سی ہے کہ بندے کا اپنے مالک سے رشتہ کتنا کھرا ہے اپنے نبی ﷺ پر کتنا اعتبار ہے انکی غلامی میں کتنا پکا ہے۔ قاضی صاحب ایسی ہی یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ طب کا بھی شوق تھا ایک دن ایک مریض آیا قاضی صاحب نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھا اور کہا یہ چیزیں ابال کر چھان کر پی لو۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ بھی وہیں تھے اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ طب کے زیادہ ماہر تھے وہ مریض چلا گیا تو حضرت فرمانے لگے کہ مریض کی میں نے نبض تو نہیں دیکھی لیکن اسکا چہرہ اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ اس کی بیماری کا سبب گرمی ہے اور قاضی صاحب نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس میں ساری دوائیں گرم ہیں لیکن ہنستے ہوئے فرمانے لگے یہ اللہ کی شان ہے کہ مریض اس نسخے سے ٹھیک ہو جائے گا اللہ اُن کے کہنے پر یہ اثر مرتب کر دے گا لیکن طبی قوانین کے مطابق جسے پہلے گرمی ہو اسے یہ نسخہ دیا جائے تو اس کے لئے مہلک ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے اسی لئے میں نے مداخلت نہیں کی کہ شفا اور دوا میں تاثیر تو من جانب اللہ ہے اور قاضی صاحب اللہ پر بھروسہ کر کے نسخہ تجویز کر رہے ہیں۔

اسی طرح نور پور میں ایک شاہ صاحب ہوا کرتے تھے وہ اپنے دستخط کرتے تھے ''شاہ اشرف خدا کی طرف انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

ایک مرتبہ سحری کا ذکر کر رہے تھے کہ ایک آدمی مریض کے لئے دوا لینے آ گیا انہوں نے اندھیرے میں ہی ٹٹول کر دو تین پڑیاں بنا کر دیں کہ فی الحال یہ دوا دو اور پھر دن چڑھے اسکا حال بتانا پھر اور دوا دوں گا۔ وہ دوا انہوں نے اپنی دانست میں کشتہ بیضہ سمجھ کر دی لیکن اسکے ساتھ ہی کورا چونا رکھا ہوا تھا۔ اندھیرے میں پتہ نہ چل سکا تو کشتہ بیضہ کے بجائے چونے کی پڑیاں بن گئیں۔ بندہ تو دوا لیکر جا چکا تھا وہ دن چڑھے مطب میں بیٹھے تو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے کہ کشتہ بیضہ کے بجائے چونا دے بیٹھے ہیں اور چونا بھی کورا ہے گلے سے معدے تک بہت نقصان ہو چکا ہوگا۔ یونہی پریشان بیٹھے تھے کہ وہی بندہ آ گیا اور بتانے لگا کہ اس دوا سے بہت افاقہ ہوا ہے وہی دوا اور دے دیں تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شفا مالک کے ہاتھ میں ہے کسی بھی چیز میں تاثیر اسی کی طرف سے ہے اُن سے تو غلطی ہوئی پر مالک نے اس سے شفا دے دی۔ اس سب کے پیچھے ایک ہی جذبہ کارفرما رہا وہ اُن کا اللہ پر یقین' اس کے ساتھ اُن کا خلوص' عظمت رسالت پر یقین اور اس میں ان کا خلوص تھا۔ ان کے اس خلوص نے چیزوں کے اثرات تبدیل کر دیے۔

قاضی صاحب کا ہی ایک اور واقعہ ہے ہم حضرت رحمتہ اللہ علیہ کیساتھ کسی ساتھی کے گھر بیٹھے تھے باتوں باتوں میں اس نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے اپنی بھینس کی شکایت کی کہ بڑا پریشان کرتی ہے کبھی دودھ دیتی ہے اور کبھی نہیں۔ قاضی صاحب نے جا کر دم کر دیا اور واپس حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھ گئے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کیا دم کیا ہے کہنے لگے حضرت میں نے کیا دم کرنا تھا میں نے اس کے کان میں کہا ہے کہ ''جس کا مال کھاتی ہو اُسے ہی دودھ نہیں دیتی ہو تو کل اللہ کو کیا جواب دو گی''۔ اب اس آدمی کے اعتماد علی اللہ اور آخرت پر یقین کا اندازہ کریں کہ ایک جانور کے کان میں بھی آخرت کی بات کر رہا ہے جسکا ذاتی یقین ایسا ہو کہ وہ جانور کو بھی آخرت کی جوابدہی کا احساس دلا دے اس کی اپنی عملی زندگی میں اس پر کتنا عملدرآمد ہو رہا ہوگا اس اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے کیا کوئی چلہ لگانے یا وظیفہ پڑھنے کی ضرورت ہے؟ یہ یقین قرآن حکیم سے دل میں اُترتا ہے ارشادات نبویؐ سے دل میں پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے لئے دل زندہ چاہیے دل کی زندگی صحبت اولیاء سے حاصل ہوتی ہے دل زندہ ہو کر قرآن حکیم سے سنورتا ہے۔ ارشادات رسول ﷺ سے اثر لیتا ہے اور اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لاتا ہے اور اگر یہی یقین ہی نصیب نہ ہو تو بندہ الٹ فیصلے کرتا ہے اور سب سے زیادہ بدنصیب ہی وہ ہے جو اپنے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت کا دروازہ ہی بند کر دے اس کے بعد بچتا ہی کیا ہے؟۔

علماء نے گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم کر دیا ہے لیکن اس نظر سے دیکھا جائے کہ حکم عدولی کس ذات کی ہے تو ہر صغیرہ بھی بڑا جرم بن جاتا ہے۔ کام خواہ چھوٹا ہی ہو لیکن کہنے والا اگر بڑا آدمی ہے تو حکم عدولی کا جرم کہنے والے کی حیثیت کیمطابق ہوگا اگر ملک کا سربراہ کمرے میں موجود لوگوں سے کہہ دے کہ کھڑے ہو جاؤ تو یہ ایک معمولی کام ہے لیکن جو بیٹھا رہے تو وہ کس کا مجرم ہے؟ ملک کے سربراہ کا پھر اس بیٹھنے پر کیا وہ بچ جائے گا؟ صغیرہ گناہوں کو بھی اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔

بہر حال اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے محروم کرنے والے فیصلوں سے بچانا چاہیے۔ اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہر شخص اس کے لئے بھرپور کوشش کرے کس سے کتنا عمل ہوتا ہے اور کس خلوص سے ہوتا ہے یہ الگ بات ہے لیکن یہ تو نہ کہے کہ مجھ سے ہو نہیں سکتا' اللہ کریم معاف فرمائے ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور توفیق عبادت ارزاں فرمائے۔ ایمان کیساتھ زندہ رکھے ایمان پر موت دے اور مومنین کیساتھ حشر فرمائے۔ آمین

امیر المکرم ملک محمد اکرم اعوان مدظلہ، کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

اکرم التفاسیر سے اقتباس ....

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 14-09-2007

الحمدللّٰہ رب العٰلمینo

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَ الہٖ

واصحابہٖ اجمعینo

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمo

بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیمo

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ کِتٰباً مؤجلاً. ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہٖ منھا ومن یرد ثواب الآخرۃ نوتہٖ منھا وسنجزی الشکرینo وکاین من نبی قتل. معہ' ربیون کثیرٌ فما وھنوا لمآ اصابھُم فی سبیل اللّٰہ وما ضعُفوا وما استکانوا . واللّٰہ یُحبُ الصٰبرینo وما کان قولھُم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفِرینo

فاتٰھُمُ اللّٰہُ ثواب الدنیا وحسن ثوابِ الاخرۃ .

واللّٰہ یحبُ المحسنینo

اللھُم سبحٰنک لا علملنا الا ما علمتنا انک

انت العلیمُ الحکیم

مولایَ صلِ وسَلِم دائماً ابداً

علی حبیبک مَنْ زانت بہِ العُصُروا

واقعات اُحد کا تسلسل ہے اور ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ موت کوئی ڈرنے والی چیز نہیں ہے جس خالق کائنات نے حیات کو پیدا فرمایا وہی موت کا بھی خالق ہے تبارک الذی خلق الموت والحیاۃ عمل تخلیق میں رب جلیل نے حیات سے پہلے موت کا ذکر فرمایا یعنی دنیا میں رہنے کا جو وقت انسان کو ملا ہے اور جسے حیات دنیا کہتے ہیں اس کے ساتھ موت یقینی اور لازمی امر ہے سادہ سی مثال اسکی یہ ہے کہ جنت بنی ہی نوع انسانی کیلئے ہے یہ بنی آدم کا گھر ہے یہ اللہ کی عظیم تخلیق ہے یہاں آدم اور اماں حوا کو ٹھہرایا گیا۔

انسان کو اللہ نے ایک خاص شعور دیا ہے کہ وہ عظمت باری کا ادراک کرے پھر اس ادراک کے طفیل اپنے دل سے یہ فیصلہ کرے کہ صرف اللہ کی ذات ہی ایسی ذات ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے جسکے آگے سجدہ ریز ہوا جائے جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں اور انسان کی عملی زندگی اس بات کی گواہی دے کہ اس نے زندگی بھر یہ کوشش کی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے تو دنیاوی زندگی نے تو ختم ہونا ہی ہے یہاں ہمیشہ تو کسی نے نہیں رہنا صرف ایک مقررہ وقت تک کی فرصت دی گئی ہے موت تو ایک حقیقت ہے اس نے تو آنا ہی ہے اور موت بھی کوئی عجیب چیز نہیں ۔موت ہے دنیا سے آخرت کے سفر کا نام حدیث شریف کے مطابق ایک دن موت کو بھی موت آجائے گی میدان حشر میں اسے ایک جانور کی صورت میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا ختم کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے بنی

آدم آج کے بعد موت نہیں ہے اب جو جنت پہنچ گیا وہ واپس اپنے گھر پہنچ گیا اور ہمیشہ کے لئے اب موت سے بے فکر ہو گیا لیکن جو راستے سے بھٹک گیا۔ خواہشات نفس کا اسیر ہو گیا' شیطان کے پیچھے چل پڑا' کفر میں جا پڑا اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا تو وہ جس راستے پر چلا ہے اسکی انتہا دوزخ ہے جو بدترین عقوبت خانہ ہے سخت سزا دینے کی جگہ ہے اور یہ جرم بھی اتنا بڑا ہے کہ اسکی سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہ تو وہی جانے جو دوزخ میں جائے اللہ معاف کرے۔

دنیا بھی اللہ کی تخلیق ہے اور بہت خوبصورت ہے اس میں ان گنت لذتیں ہیں' دل کو لبھانے والی بے شمار چیزیں ہیں پھر انسانی احتیاجات ہیں وجود کی بے شمار ضرورتیں ہیں یہ ضرورتیں انسان کو مجبور کرتی ہیں کہ ان کے تقاضے پورے کئے جائیں زندہ رہنے کے لئے کھانا' بیماری کا علاج' رہنے کے لئے گھر پہننے کے لئے لباس آرام کیلئے چارپائی بستر' پرسکون زندگی کیلئے بیوی بچے پھر انکو پالنا تربیت کرنا یہ سب امور دنیا انسانی زندگی کے لازمی جزو ہیں اور دنیا بنا کر اللہ کریم نے دنیا استعمال کرنے سے منع نہیں فرما دیا بلکہ فرمایا وخلق لکم ما فی الارض جمیعاً روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے لئے تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے انسان اس پر غور کرے یا نہ کرے ہر چیز ایک ضابطے کے تحت انسان کی خدمت پر کمر بستہ ہے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جو چیزیں انسان کی صحت جسمانی و روحانی کے لئے مضر تھیں شریعت نے اُن سے روک دیا ہے ان میں دو طرح سے ممانعت کی ہے ایک تو مضر اشیاء کو اصلاً حرام قرار دے دیا مثلاً خنزیر شراب وغیرہ دوسرے ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا رزق حرام قرار دے دیا چوری' ڈاکہ' رشوت' ذخیرہ اندوزی جیسے ذرائع سے کمایا ہوا مال حرام ٹھہرایا اور جائز طریقے سے معروف ذرائع سے کما کر ضروریات پوری کرنا فرض قرار دیا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا اگر ذرا سا غور کیا جائے تو رزق حلال کے اثرات بھی آسانی سے نظر آ جاتے ہیں زیادہ گہرائی میں نہیں جانا پڑتا ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے ہمارے علاقے کا ایک زمیندار ہے' ٹرانسپورٹر بھی ہے پنڈی میں اسکی بسیں چلتی ہیں بہت محنت سے کاروبار چلایا ہے اور بچے اس نے آکسفورڈ تک پڑھائے ہیں اس کے بچے آکسفورڈ کے فارغ التحصیل ہیں اور پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتے ہیں انکی عملی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق ہے والدین کا احترام کرتے ہیں کاروبار میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں۔ کہنے لگا جب میں نے بچوں کو تعلیم کے لئے انگلستان بھیجا تو میں ڈرتا تھا کہ میرے بچے اس ماحول اور معاشرے میں چلے گئے ہیں وہاں یہ بگڑ جائیں گے اور ضائع ہو جائیں گے لیکن میں حیران ہوں کہ یہ نماز کے لئے اتنے مستعد ہیں کہ مجھ سے سستی ہو جاتی ہے یہ بروقت ادا کرتے ہیں عملی زندگی صاف ستھری ہے فرمانبردار ہیں حیران ہوں کہ وہاں رہ کر ان پر اس معاشرے کے غلط اثرات نہیں پڑے اگر یہ یہاں رہتے تو اتنے بہتر مسلمان نہ رہتے جتنے وہاں رہ کر اچھے مسلمان بن گئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان بچوں کی پرورش رزق حلال سے ہوئی ہے محنت کی جائز کمائی کا اصل حلال کا یہ اثر ہے کہ وہاں رہ کر وہاں کی برائیوں سے بچے رہے بلکہ زیادہ سدھر گئے یہ اس لئے بھی کہ وہاں اسلام کی مخالفت زیادہ تھی تو جہاں مخالفت ہو وہاں حق پر قائم رہنے کا جذبہ بھی زیادہ بیدار رہتا ہے تو اسلام کی مخالفت نے انہیں اچھا مسلمان بنا دیا ہے۔

اسلام نے خنزیر کو حرام قرار دیا ہے تو اسکے طبی نقصانات اتنے شدید ہیں کہ جو لوگ کھاتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کھانے سے کتنی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور یہ انسانی بدن کے لئے بھی کتنا مضر ہے۔

ہمارے ایک ساتھی ڈاکٹر صاحب انگلینڈ میں بہت عرصہ کام کرتے رہے پڑھایا بھی اور پریکٹس بھی کی انہوں نے خنزیر کے گوشت کے انسانی استعمال کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے اپنی تحقیق چھاپنا چاہی اور مسودہ متعلقہ محکمے کو بھیجا جو وہاں کے سسٹم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ یہ مواد چھپنا چاہیے یا نہیں اس محکمے نے مسودہ واپس بھیج دیا کہ یہ کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا یہ خالص طبی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے میڈیکل تجزیے کر کے سائنس سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ گوشت انسان کے لئے مضر صحت ہے اس میں اسلام وکفر کی تو بات ہی نہیں کی گئی تو مجھے بتایا جائے کہ میری ریسرچ میں غلطی کہاں ہے تا کہ میں اپنی ریسرچ درست کروں اور غلطی نہیں ہے تو میں آپ کو قائل کروں۔ انہوں نے جواباً یہ لکھا کہ ہم یہ کتاب اشاعت سے اس لئے نہیں روک رہے کہ آپ کی ریسرچ غلط ہے بلکہ اس لئے روک رہے ہیں کہ اس کتاب کے چھپنے کے بعد یورپ کے لوگ یہ گوشت کھانا چھوڑ دیں گے اور ہم اس کے متبادل گوشت مہیا نہیں کر سکتے کہ یورپ میں گائے اور بکری کا گوشت بے حد مہنگا ہے لہٰذا آپ کی کتاب برطانیہ میں نہیں چھپ سکتی۔ تو یہ سامنے ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے استعمال سے کیا بُرے اثرات انسانی صحت پر مرتب ہوتے ہیں اور اسکی جیب پر کتنا بوجھ پڑتا ہے یعنی حرام چیزیں کھانے سے جسمانی طور پر جو نقصان ہوتا ہے وہ سامنے ہے لیکن جو دولت حرام ذرائع سے آتی ہے اس کے کھانے سے کوئی بندہ بیمار تو نہیں ہوتا' بخار نہیں ہوتا کوئی پھوڑا پھنسی نہیں نکلتی لیکن اللہ کو پہچاننے کی استعداد جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے اس پر زنگ جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ والدین جن بچوں کو حرام غذا دے کر پالتے ہیں وہ جوان ہو کر بوڑھے والدین کو دھکے دیکر گھروں سے نکال دیتے ہیں یا انکی عزت نہیں کرتے بات نہیں سنتے انکی بات نہیں مانتے یہ شکایت اب والدین کو اکثر رہتی ہے اگر غور کریں تو انہیں سمجھ آجائے گی کہ کہیں نہ کہیں انہوں نے بھی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہوگا۔ تو شریعت نے جو چیزیں حرام کی ہیں اُن میں دونوں طرح کی خرابی ہے وہ مادی طور پر بھی نقصان پہنچاتی ہیں اور روحانی طور پر بھی اور رزق حرام اگر مادی طور پر نقصان نہ بھی پہنچائے تو اسکا روحانی نقصان بہت زیادہ ہے۔

اللہ نے دنیا بنا کر اس میں لذات پیدا کر کے انسان کو ایسی آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ وہ لالچ میں آکر خواہش نفس سے مغلوب ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یا فطری استعداد کو بروئے کار لا کر اللہ سے آشنائی حاصل کر کے اسکی فرمانبرداری کرتا ہے اس امتحان کا ایک وقت مقرر جیسا کہ دنیا کے امتحانوں میں کسی پرچے کا وقت تین گھنٹے ہے کسی کا ڈیڑھ گھنٹہ۔ جب مقررہ وقت ختم ہوتا ہے تو ممتحن یہ نہیں پوچھتا کہ پرچہ مکمل ہوا یا نہیں کہتا ہے قلم رکھ دو اور پرچے جمع کرا دو۔ کسی نے لکھا ہے یا نہیں درست لکھا ہے یا غلط اس سے غرض نہیں بس وقت پورا ہونے پر پرچے لے لیے جاتے ہیں۔

دنیا میں کوئی بھی شخص ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا ہر بندے کو واپس گھر جانا ہے اب گھر جانے کے لئے اس نے کون سا راستہ چنا؟ اس کے نتیجے میں سیدھا گھر جائے گا یا کسی جنگل میں بھٹک جائے گا یہ اس کے انتخاب پر ہے کہ اس نے کون سا راستہ چنا ہے جو غلط راستہ چنتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے دوزخ میں جا گرتا ہے جو صحیح راستہ چنتا ہے وہ اپنے گھر جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ ہر متنفس کے لئے ایک مدت معین ہے ایک وقت تک کی مہلت ہے اس مہلت کے پورا ہونے پر اُسے موت آئے گی وہ بیمار ہو یا صحت مند وہ چلتے پھرتے مر جائے یا بستر

علالت پر وہ میدان کارزار میں کام آئے یا گھر بیٹھا اُسے اس مہلت کے بعد دنیا چھوڑنا ہے اس لئے موت ڈرنے کی شے نہیں ڈرا اس چیز سے جاتا ہے جس سے بچا جا سکے اس سے بچا نہیں جا سکتا لہٰذا یہ ڈرنے کی چیز نہیں زندگی کے مسافر کو اس دروازے سے ضرور گزرنا ہے اور اس کا وقت بھی معین ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کی معیت میں راہ جہاد میں نکلتے ہوئے موت کا خوف رکھنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں فرمایا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰه. کوئی بھی اللہ کے اِذن کے بغیر نہیں مرتا ہر متنفس پر جب موت آتی ہے تو اللہ کریم ہی اس پر موت وارد کرتے ہیں اور اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے قاتل کا جرم یہ ہے کہ وہ اس کی موت کا سبب بنا اُسے کسی کی زندگی لینے کا حق حاصل نہیں تھا تو اگر کوئی ظلماً قتل کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اللہ کی تقدیر بدل دی موت اس وقت معین پر ہی آتی ہے اگر وہ اُسے قتل نہ کرتا تو بھی وہ اُسی وقت مقرر پر ہی مرتا خواہ کسی بھی دوسرے سبب سے مرتا لیکن موت کا وقت مقرر وہی ہوتا ہاں جس نے قتل کیا اس نے جرم کا ارتکاب کیا اس نے کسی کی موت کا سبب بننے کا جرم اپنے سر لیا اس نے اللہ کے نظام میں دخل دینے کی کوشش کی اس نے عظمت باری کا انکار کیا۔

اصل بات یہ ہے کہ زندگی اور موت کی بحث سے ہٹ کر دیکھنا یہ چاہیے کہ زندگی کی ایک سانس سرمایہ ہے' دولت ہے' ایک سکہ ہے جسے ہم خرچ کر رہے ہیں دل کی ایک ایک دھڑکن گنی ہوئی ہے ہمارے پاس گنتی کی دھڑکنیں ہیں خواہ وہ کروڑوں کی تعداد میں ہوں کہ شکم مادر میں دل کی دھڑکن کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر اسکی دھڑکن بند نہیں ہوتی اور جب بند ہوتی ہے تو وہ لمحہ موت کا لمحہ ہوتا ہے سو اس کام نے تو ہونا ہے زندگی نے تو گزرنا ہے موت نے تو آنا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنے سرمائے کو کس طرح خرچ کر رہے ہیں؟ کیا ہم اسے صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے خرچ کر رہے ہیں یا آخرت کو مدنظر رکھ کر کر رہے ہیں۔

دنیا سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اچھا گھر نہ بنائے اچھا لباس نہ پہنے اچھا کھانا نہ کھائے۔ شادی کرنا' بچے پالنا' اچھا گھر اور اچھا لباس پہننا دنیا نہیں ہے دنیا یہ ہے کہ ان لذات میں کھو کر اللہ کو بھول جائے۔ اگر کوئی عبادت کے وقت عبادت کرتا ہے محنت سے حلال روزی کماتا ہے اللہ نے جو وسعت دی ہے اتنی حیثیت میں رہتا بستا ہے تو یہ سب دین ہے اس پر اسے ثواب ملتا ہے اجر ملتا ہے لیکن اللہ کریم کو بھول کر نفس کے پیچھے لگ جانا شیطان کے پیچھے لگ جانا لوٹ کھسوٹ' افراتفری' فساد پیدا کرنا دوسروں کے حقوق چھیننا یہ دنیا ہے اور جو اس میں لگ جاتا ہے وہ اللہ کی عظمت کو بھول جاتا ہے اُسے آخرت میں کچھ نہیں ملتا وہ آخرت کے لئے کرتا ہی نہیں دنیا کے لئے جو محنت کرتا ہے اُسے کچھ نہ کچھ دنیا ہی میں مل جاتا ہے ومن یرد ثواب الآخر نوتِہ منھا لیکن جو شخص آخرت کو مدنظر رکھ کر دنیا کے امور انجام دیتا ہے اس کا مقصد دنیا داری نہیں ہوتا بلکہ وہ محنت مزدوری ملازمت تجارت کاشتکاری ہر ایک کام میں شریعت کا پاس رکھتا ہے اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھتا ہے تو دنیاوی معاوضہ اور دنیاوی دولت اُسے بھی ملتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اُسے آخرت کا اجر بھی ملتا ہے۔

جو شخص انہی امور کو انجام دیتے ہوئے اپنی خواہش نفس کو مقدم کر لیتا ہے اور شیطان کے پیچھے چل پڑتا ہے اللہ اُسے بھوکا نہیں رکھتا اولاد بھی دے دیتا ہے حکومت و سلطنت بھی دیتا ہے لیکن جتنا کچھ دیتا ہے

اتنا حساب بھی لے گا کہ میری عطا دیکھو اپنی اطاعت دیکھو میں نے کیا کیا دیا تم نے کیا کیا آؤ حساب کریں۔

خوش نصیب ہیں وہ جو اپنے اوقات کو صرف کرتے ہوئے اللہ کے حکم پر نظر رکھتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں تو انہیں دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی وسنجزی الشکرین اور ہم شکر گزاروں کو اجر دیں گے۔ شکر کا مفہوم ہی یہی ہے کہ اللہ کے لئے خلوص کیساتھ اسکی اطاعت کی جائے رسم پوری نہ کی جائے لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ کی جائے اللہ کی عظمت کو پہچان کر اللہ کے رسول ﷺ کو پہچان کر اطاعت کی جائے کہ واقعی یہ ہستی اللہ کا رسول ﷺ ہے اور یہ جو کچھ بتا رہے ہیں یہ اللہ ہی کی باتیں ہیں تو یہ شکر ہوگا اور شکر گزاروں کو اللہ فرماتے ہیں ہم اجر دیں گے اللہ کی طرف سے ہم کا لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب ہے بندوں کا شکر ان کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا اور اللہ کریم اپنی شان کے مطابق عطا کریں گے تو اے مسلمانو! اگر تمہیں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کرنا پڑا تو ایسا دنیا میں پہلی مرتبہ نہیں ہورہا' وکاین من نبی قتل معه ربیون کثیر' کتنے ہی نبی اور رسول گزرے ہیں جنہیں جہاد کی منزل سے گزرنا پڑا اور اُن کیساتھ اللہ کے نیک بندوں اور انبیاء کے فرمانبرداروں نے جان کی بازی لگائی زخمی بھی ہوئے اور شہید بھی ہوئے اقوام عالم کی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے کہ جہاں ظالم اور جابر لوگوں نے لوگوں پر مظالم ڈھائے وہیں انکے ظلم و جبر کو روکنے کے لئے اللہ کے نبی میدان میں آئے جہاد کئے اور ظلم و جبر کو روک کر اللہ کے بندوں کو انصاف اور امن وامان مہیا کیا فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں جو دکھ آتے ہیں ان سے اللہ کے بندوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری وہ جانتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ مومن ہر دو صورت میں کامیاب ہوتا ہے فاتح ہو تو دنیا میں عظمت باری کو ثابت کرنے کا سبب بنتا ہے قتل ہو جائے تو شہید ہو کر اپنی منزل پا لیتا ہے۔

ہارنے یا شکست کھانے کے لفظ مسلمان کے لئے نہیں ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں جیتتا ہے لہٰذا اُن لوگوں نے مصائب کی وجہ سے نہ ہمت ہاری نہ کمزوری دکھائی واللہ یحب الصابرین ۔ جو لوگ صبر کرتے ہیں میرے اور میرے نبی ﷺ کے احکامات پر جم جاتے ہیں وہ میرے محبوب بندے ہیں۔ جس طرح ایک تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے کو سوار لگام دے کر کھینچ کر روک لے اس طرح اپنے آپ کو بُرائی سے روک لینے کو صبر کہتے ہیں۔ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو اس طرح روک لے جس طرح سوار گھوڑے کو باگ کھینچ کر روک لیتا ہے۔

اللہ کے بندوں پر بظاہر تکلیفیں آتی ہیں وہ چیزیں اللہ اُن سے روک لیتا ہے جو اُن کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں جس طرح نادان بچے چمکدار چھری لینے کی ضد کرتے ہیں لیکن والدین انکی ضد کے باوجود انہیں چھری نہیں دیتے اس کا متبادل دے دیتے ہیں بچہ پھر بھی روتا ہے ضد کرتا ہے لیکن والدین کی محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ انہیں وہ چیز دی جائے جس سے اس کا نقصان نہ ہو۔

اسی طرح استاد شاگرد پر تعلیم کے لئے بہتر کارکردگی کے لئے سخت محنت کرواتا ہے رات تک کام کرواتا ہے سارا دن پڑھاتا ہے ضرورت کے مطابق سختی بھی کرتا ہے اور شاگرد کو اس بات کی بڑی شکایت رہتی ہے لیکن استاد اس کا بھلا چاہنے والا ہوتا ہے اُسے اس کے رزلٹ کی فکر ہوتی ہے پھر جب شاگرد اچھے نمبروں میں پاس ہو جاتا ہے تو وہ تمام سختیاں بھول جاتا ہے بلکہ اساتذہ کا احسان مند ہوتا ہے کہ اس سے زبردستی محنت کرواتے رہے اور وہ اس کامیابی سے

ہمکنار ہوا۔ مومن کی زندگی کی روش بھی ایسی ہے کہ اس پر جو شدائد آتے ہیں بیماری آتی ہے یا افلاس آ جاتا ہے جہاد میں زخمی ہو جاتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے تو یہ انکی بلندی درجات اور خطاؤں سے معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے اللہ کی راہ میں کسی کو زخم لگتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں مجاہد کا ایک قطرہ خون اللہ کے نزدیک دنیا و مافیھا سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے تو اس کے طفیل اس کے کتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو موت سے ڈرنے کے بجائے نتائج پہ نگاہ رکھو جب نتائج پر نظر ہوگی تو راستے کی مشکلات کی اہمیت کم ہو جائے گی۔

ایسے ہی اللہ کے بندے جنہوں نے انبیاء کی ہمراہی میں جہاد کیا ان کی رفاقت کا حق ادا کر دیا اپنے وطن سے دور ماں باپ بیوی بچوں سے دور غریب الوطنی میں شہید ہو گئے اور اس حالت میں اللہ کریم سے دعا کی ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا.....

یا اللہ! ہم تیری اطاعت کی کوشش میں لگے رہے جان کی بازی لگا دی لیکن تیری بارگاہ تو بہت عظیم ہے ہماری قربانی بہت معمولی ہے کائنات بھر میں ایک انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ کائنات کی مخلوق کتنی ہے پھر زمینی مخلوق، حشرات الارض، آبی مخلوق، ہوا میں رہنے والی مخلوق ان سب کو شمار کر لیں آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت تک آنے والے انسانوں میں اپنے آپ کو صرف ایک لکھنا چاہیں تو اعشاریہ لگا کر صفر لکھنا شروع کر دیں زندگی بھر صفر ہی لکھتے رہ جائیں گے ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی اتنی مخلوقات میں وہ کس شمار میں آتا ہے اس نے اگر جان بھی دے دی تو کیا دیا جان بھی اللہ ہی کی دی ہوئی تھی وجود نے زخم کھائے تو وہ وجود بھی اسی کا دیا ہوا تھا اللہ کریم فرماتے ہیں میرے محبوب بندے سب کچھ میری راہ میں لٹا کر پھر بھی کہتے ہیں یا اللہ جو کمی ہم سے رہ گئی یا کوتاہی ہو گئی تو ہماری خطاؤں کو بخش دے کہ تیری بارگاہ عالی ہے اور جو تحفہ ہم پیش کرتے ہیں اسکی کوئی حیثیت نہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارا رب ہے ہر چیز تو نے ہمیں عطا کی ہے یہ جرات رندانہ بھی تیری ہی عطا ہے کہ ہم تیرے راستے میں سر کٹانے کے لئے کوشاں ہیں اس راستے میں ہم سے کوتاہی ہو گئی بشری کمزوریوں کے باعث جو کمی رہ گئی ہم تیرا حق ادا نہ کر سکے و اسرافنا فی امرنا ہم حق اطاعت ادا نہ کر سکے اور حد سے تجاوز کر گئے تو ہماری ان غلطیوں کو معاف کر دینا و ثبت اقدامنا اور ہمیں وہ ثابت قدمی عطا فرما کہ دنیا کا کوئی دکھ ہمارے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکے ہمیں جم کر کھڑا رہنے کی توفیق عطا فرما وانصرنا علی القوم الکافرین اور کبھی ہمیں کافروں کے تابع نہ کرنا ہمیں کافروں پر غالب رکھنا ان کے ماتحت نہ کرنا کہ دنیا میں مومن کیلئے یہ بہت بڑی سزا ہے کہ اُسے کفر کے تابع رہنا پڑے کفر کا مسلط ہو جانا کسی بڑے جرم کی سزا ہے کسی بڑی گستاخی کا نتیجہ ہے یہ بہت بڑا عذاب ہے کہ بندہ نہ آزادی سے عبادت کر سکے نہ حلال کھا سکے نہ اپنے اسلامی اصول معاشرت اپنا سکے یا اللہ اس بڑے عذاب سے محفوظ رکھ یہ وہ عذاب ہے جس میں نسلیں بگڑ جاتی ہیں تعلیمی نصاب تباہ ہو جاتے ہیں اخلاقیات تباہ ہو جاتی ہیں اور جب سب کچھ بگڑتا ہے تو زد ایمانیات پر پڑتی ہے ایمان تباہ ہو جاتا ہے۔

ہماری بدنصیبی تو یہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے تو ملک غلام تھا جب آزاد ہوا تو کافروں کے خوشامدیوں کی غلامی میں چلا گیا سو ہم نے تو آزادی کا مزا چکھا ہی نہیں ہم تو پنجرے کے طوطے کیطرح ہیں جس کے لئے پنجرے کا دروازہ کھلا ہوتا ہے وہ دروازے سے باہر جا کر کارڈ نکال کر دیتا ہے اور واپس پنجرے میں آ بیٹھتا ہے وہ پنجرے سے باہر خود

کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ ہم بھی ظلم کی چھتری کے نیچے ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر کوئی چھتری مسلط رہے وہ امریکہ کی ہو برطانیہ کی ہو کفر کی ہو ذلت کی ہو لیکن کوئی پنجرہ ہونا چاہیے جس میں ہمیں احساس ہو کہ پنجرے والا ہماری حفاظت کر رہا ہے۔ ہم اپنے مالک سے تو کٹ چکے ہیں ہمارا اللہ سے تعلق اتنا کٹ چکا ہے کہ ہم کفر کی چھتری سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے کی لذت سے آشنا ہی نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ چھتریاں ہم پر مسلط رہیں انہی کے زیراثر پھر الیکشن ہوں پھر ہم وزیر بن جائیں۔آج ہمارا حال اس طوطے جیسا ہے یہ سب اللہ سے دوری کی وجہ سے ہے عظمت الٰہی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے حرام کھانے، سود کھانے کا نتیجہ گلی گلی دہشت گردی ہو رہی ہے بم پھٹ رہے ہیں یہ ایک دوسرے کو کیوں مار رہے ہیں؟ یہ وہ پھوڑے پھنسیاں ہیں جو خراب غذا کھانے کے باعث جب خون خراب ہو جاتا ہے تو بدن پر جگہ جگہ پھوڑے نکلتے ہیں۔ یہ خرابی حرام کھانے سے کفر کے تابع رہنے سے کافرانہ رسومات اپنانے سے قوم کے وجود میں در آئی ہے یہ قوم کے وجود پر ناسور ہیں جو جگہ جگہ سے پھٹ رہے ہیں جن سے خون بہہ رہا ہے پیپ بہہ رہی ہے ایک جگہ پٹی باندھتے ہیں دوسری جگہ ناسور پھٹ جاتا ہے اسکی مرہم پٹی کرتے ہیں تیسری جگہ سے پھٹ جاتا ہے ہم پٹیوں پر پٹیاں باندھے چلے جا رہے ہیں اور اس بیماری کا علاج نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ ناسور بن رہے ہیں جس طرح اہل مغرب جانتے ہیں کہ ایڈز کے مرض کا اصل سبب ہم جنس پرستی ہے لیکن وہ ہم جنس پرستی کو نہیں چھوڑتے ایڈز کے علاج دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اب یہ روک سکتے بھی نہیں کہ قوم اتنی دور جا چکی ہے مزاج اتنے آوارہ ہو گئے ہیں کہ اب یہ ان کے بس میں بھی نہیں رہا، انہیں چاہیے تھا کہ فوراً اسے روکتے اب مرہم پٹی کرتے رہتے ہیں۔

ہمارا بھی یہی حال ہے دہشت گردی کے خلاف بیان بازی کرتے رہتے ہیں کہ یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے لیکن دہشت گردی کے اسباب دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس کا علاج اصلی یہی ہے کہ لوگوں کو رزق حلال مہیا کیا جائے۔ان پر حرام کے دروازے بند کئے جائیں جو ظلم کرے ڈاکہ ڈالے، رشوت لے اسے سزا دی جائے تو مسلمان جب حلال کھائیں گے ان میں خوف خدا پیدا ہوگا۔ اتباع شریعت کریں گے جس کے نتیجے میں امن ہوگا۔ عدل ہوگا تو امن ہوگا عدل کے بغیر امن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور ظلم کو ظلم سے مٹانا تو ایسے ہی ہے جیسے سحر انصاری نے کہا تھا

نئے دستور ہیں نئے زمانے کیلئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کیلئے

جو آگ پہلے لگی ہوئی ہے اس پر مزید آگ برسائی جائے تو کیا وہ بجھ جائے گی وہ بجھے گی نہیں اور بھڑکے گی پہلے ہی ظلم ہو رہا ہے اس پر اور ظلم کیا جائے تو ظلم بڑھے گا مٹے گا نہیں۔ ظلم، عدل سے مٹتا ہے اللہ کریم ہمیں یہ سمجھنے کی توفیق دے اس پر عمل کی توفیق دے اور اس بدترین عذاب سے بچنے کی توفیق دے۔ جس سے بچنے کی توفیق تیرے مقبول بندے انبیاء، مجاہد، غازی اور شہادت کے طالب کرتے رہے کہ اللہ ہم کفر سے مغلوب نہ ہوں بلکہ کافرانہ نظریات اور کافرانہ کردار پر ہم غالب ہو کر رہیں۔

وانصرنا علی القوم الکٰفرین

☆☆☆

حج و عمرہ

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 16-10-2006

الحمدللہ رب العٰلمین o

والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد وَالہٖ

واصحابہٖ اجمعین o

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم o

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

الحج اشھد معلومت فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق. ولا جدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ. وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی واتقون یآ ولی الالباب o

اللھم سبحنک لا علملنآ الا ما علمتنا

انک انت العلیمُ الحکیم

مولایٰ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً ابداً

علیٰ حبیبک مَنْ زانت بہٖ العُصُروا

فرائض عبادات میں اللہ کریم نے حج ایک ایسی عبادت رکھی ہے جو صاحب حیثیت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور حاصل اُس کا بھی یہی ہے کہ انسان کو اُس سے تقویٰ یعنی قرب الی اللہ اور اللہ کریم کے ساتھ ایک بہت حساس، نازک اور بہت قریبی تعلق نصیب ہو۔ عبادات کو دوا کا درجہ حاصل ہے جس طرح مادی جسم کیلئے جسمانی عوارض اور بیماریاں ہوتی ہیں اُسی طرح اس عالم آب وگل میں آ کر اور اس مادی بدن کے ساتھ شامل ہو کر روح کیلئے بھی عوارضات اور امراض پیدا ہو جاتی ہیں چونکہ روح بدن کے تابع ہوتی ہے تو بدن کا کردار اس کے اعمال اُس کو متاثر کرتے ہیں لہٰذا عبادات فرض کی گئیں کہ اُن عوارضات اور اُن بیماریوں کا ساتھ علاج ہوتا رہے نماز دن میں پانچ بار فرض کی گئی یہ بہت بڑا علاج ہے کہ قرب الٰہی کا نہ صرف احساس دلاتی رہے بلکہ دنیا سے کٹ کر اللہ کے حضور کھڑے ہو کر بندہ قرب الٰہی کی کیفیات کو دل میں اُتارتا رہے اور وہ ایک کیفیت اُس پہ وارد ہوتی رہے کہ اُسے حضور حق ہمیشہ نصیب رہے اس طرح سے زندگی میں ایک بار حج فرض کیا گیا یعنی جیسے کوئی لائف سیونگ ڈرگ ہوتی ہے کہ اُس کی ایک خوراک زندگی بھر کیلئے اُس مرض سے نجات دیدیتی ہے۔ حج ایک ایسی دوا ہے کہ زندگی میں ایک بار نصیب ہو جائے تو گذشتہ زندگی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جب گناہ معاف ہوتے ہیں تو اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آئندہ زندگی میں اللہ گناہوں سے بچنے کی توفیق ارزاں فرما دیتا ہے گویا انسان کی گذشتہ زندگی بھی سدھر جاتی ہے اور آنے والی زندگی کے جو لمحات دنیا میں باقی ہیں وہ بھی سنور جاتے ہیں، ارشاد فرمایا الحج اشھد معلومت حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں مشہور معروف ہیں اور جس پر حج فرض ہو جائے پھر اُسے حج کے قواعد وضوابط احترام اہتمام کرنا چاہیے۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج. کوئی فضول گفتگو دوران حج نہیں ہوگی، کوئی غلط کام دوران حج نہیں کیا جائے گا، کسی طرح کا جھگڑا نہیں کیا جائے گا یعنی پوری طرح سے شب وروز کو ایک محتاط فریم ورک کے اندر بسر کرنا ہوگا۔ حج کی بنیادی باتوں میں یہ بات ضروری ہے کہ جس پر حج فرض ہو یعنی اُس کے پاس اتنا خرچ ہو کہ وہ آرام سے وہاں آ جا بھی سکے۔ وہاں رہنے کا

وہاں کے اخراجات کا متحمل ہو اور جتنا عرصہ اُس نے گھر سے غیر حاضر رہنا ہے حج کیلئے اُس عرصے کے اخراجات اہل خانہ کو بھی دے کر جائے اگر کسی میں یہ توفیق نہیں ہے تو اُس پر سرے سے حج فرض ہی نہیں ہے ہمارے ہاں چونکہ عبادات کو بھی ہم نے اپنی بدنصیبی سے روایات میں اور رسومات میں لے لیا ہے تو بیشتر لوگ قرض لیکر حج پر جانے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں اور ہم نے لوگوں کو مانگتے بھی دیکھا ہے کہ گداگر کے لوگوں سے مانگ کر پیسے جمع کئے جائیں کہ میں حج پر جانا چاہتا ہوں تو بڑی عجیب بات یہ ہے کہ جب آپ پر حج فرض ہی نہیں ہے تو آپ کیوں جانا چاہتے ہیں عبادات کا مطلب تو رضائے الٰہی ہے اور جس پر حج فرض نہیں ہے صرف حج ہی زندگی میں عبادت نہیں ہے زندگی کا ہر کام یا عبادت ہے یا نافرمانی ہے تو جو فرائض یہاں آپ پر ہیں روزمرہ کی زندگی کے جو فرائض ہیں کیا آپ وہ پورے کر رہے ہیں اُن کی پرواہ کوئی نہیں کرے گا معاشرے میں آپ کے کیا فرائض ہیں گھر میں آپ کے جو فرائض میں کیا آپ وہ پورے کر رہے ہیں اُن کی پرواکوئی نہیں کرے گا معاشرے میں آپ کے کیا فرائض ہیں گھر میں آپ کے کیا فرائض ہیں اہل خانہ کے ساتھ آپ کے کس طرح کے فرائض ہیں زندگی بھر کوئی فرض ہر لمحے آدمی کے سامنے ہوتا ہے تو کیا ان فرائض کی تکمیل میں بھی آپ کو اتنی ہی فکر ہے جتنی حج پر جانے کی ہے یا محض حاجی کہلانے کیلئے آپ اپنا ایک رتبہ بڑھانے کیلئے آپ کو فکر لگی ہوئی ہے لہذا قرض لیکر حج پر جانا یا بندوں سے مانگ کر چندہ جمع کر کے حج پر جانا یہ درست نہیں ہے اور حج پر جانا صرف حاجی کہلانے کیلئے نہیں ہے یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ حج کا مرکز بیت اللہ شریف کو قرار دیا گیا۔ روئے زمین سے مسلمان جن پر حج فرض ہوتا ہے وہ حاضر ہوتے ہیں اور میدان حشر کا لباس اور نقشہ بنا لیتے ہیں دو اَن سِلی چادریں اُن کے پاس ہوتی ہیں اور بیت اللہ میں حاضر ہو کر تلبیح ادا کرتے ہیں الھم لبیک لا شریک لک لبیک . اے اللہ میں حاضر ہوں تو واحد ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں ایک حضورِ حق نصیب ہوتا ہے دنیا کے سارے اُمور چھوڑ کر زندگی کی ساری باتیں فراموش کر کے دو اَن سلی چادریں پہن کر محض واحد ولاشریک کو پکار رہا ہوتا ہے جہاں اُس کا مہبط انوارات وتجلیات ہے وہاں حاضر ہو کر تو یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس کا حج مقبول ہو گیا تو گویا وہ آج دنیا میں پیدا ہوا اس طرح سے آدمی گناہ سے ڈھل جاتا ہے جیسے دنیا میں آج پیدا ہوا۔ پھر بیت اللہ شریف کا طواف نصیب ہوتا ہے اور صفا مروہ کی سعی حج کے فرائض میں سے ہے کہ جس طرح مائی صاحبہ بے تابانہ اُن پہاڑوں پر چڑھی تھیں اور دوڑیں تھیں اُسی طرح سے اُسی انداز سے آج وہاں نشان لگے ہوئے ہیں۔ اب چونکہ مرورِ زمانہ سے بہت سی چیزیں بدل گئیں وہ گھاٹی تھی جو اب مٹی سے اَٹ چکی ہے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں دونوں طرف ہیں اسی طرح بیت اللہ شریف ایک چھوٹے سے ٹیلے پر تھا گرداگرد کی ساری وادی اٹ چکی ہے اور وہ ایک میدان بن گیا ہے لیکن آج بھی وہاں نشان لگے ہوئے ہیں کہ جہاں سے اسمٰعیل علیہ السلام پر نظر پڑتی تو مائی صاحبہ چلنا شروع کر دیتیں اور جہاں سے وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو وہاں سے دوڑتیں حتیٰ کہ دوسری پہاڑی پر چڑھ کر جہاں سے نظر آجاتے وہاں سے چلنا شروع کرتیں تو درمیان میں آج بھی دونوں طرف وہ نشانیاں لگی ہوئی ہیں کہ وہاں سے حاجی دوڑنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر اگلی نشانی پر پہنچ کر چلنا شروع کر دیتے ہیں تو صفا مروہ کی سعی اُس عظیم ہستی کی یاد دلاتی ہے جس کی زندگی کا محور و مرکز محض حصول رضائے الٰہی تھا بیت اللہ شریف آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر حضور نبی کریم ﷺ تک کے اللہ کے نبیوں اور اللہ کے رسولوں کا قبلہ رہا ہے۔

کچھ عرصہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس بطور قبلہ عطا فرمایا گیا لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام سے لیکر نوح علیہ السلام تک قبلہ صرف بیت اللہ شریف تھا طوفان نوح میں جب بیت اللہ

شریف باقی نہ رہا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر فرمایا تو انکی دعا سے اللہ کریم نے اُسے قبلہ قرار دیدیا اور بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس رہا لیکن حضور نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ سے خاص الفت تھی عشق کی حد تک اور اکثر آپ کی نگاہ پاک آسمان کی طرف اٹھ جایا کرتی تھی اس امید میں کہ وحی آجائے اور بیت اللہ ہی کو قبلہ مقرر کر دیا جائے قرآن حکیم نے اُس کا تذکرہ اس طرح سے فرمایا۔ آپ کے رخ انور کا آسمانوں کی طرف اٹھ اٹھ جانا اللہ کریم دیکھ رہا ہے اللہ کے علم میں ہے لہٰذا اُس میں آپ کی منشاء کے مطابق آپ کیلئے بیت اللہ ہی کو قبلہ مقرر کر دیا جس طرح حضرت ہاجرہؓ کی سنت پر عمل کیا جاتا ہے صفا و مروہ میں سعی کی جاتی ہے اُسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی وہ سنت بھی تازہ کی جاتی ہے کہ لوگ سفر کر کے منیٰ میں جاتے ہیں وہاں رات بھر ٹھہرتے ہیں اگلے دن عرفات کو چلے جاتے ہیں عرفات سے واپسی پر عرفات ہی وہ میدان ہے جہاں آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی اور اماں حوا کی ملاقات ہوئی تھی عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں شب بسری کر کے واپس منیٰ پہنچ کر اُسی سنت ابراہیمی کی یاد میں قربانیاں کرتے ہیں تو یہ سارے ارکان ہیں حج کے جنکی تفصیل غالباً ہر حاجی کو آجکل تو مہیا کر دی جاتی ہے اور طبع شدہ کتابیں جانے والے کو دے دی جاتی ہیں جس میں تسبیحات' تلبیحات ارکان انکی ادائیگی کا طریقہ اور سلیقہ اور ساری تفصیل درج ہوتی ہیں لیکن مقصد حج یہ ہے کہ بندہ دنیا و مافیہا سے فارغ ہو کر تنہا دو اَن سلی چادروں میں روز محشر کی طرح اللہ کے حضور اس طرح کھڑا ہو کر اُسکی تجلیات ذاتی کے سامنے روبرو ہو کر اپنی زندگی کو اپنے ارادوں کو اپنے کردار کو اُسکی رضا کے مطابق ڈھالنے کی دعا مانگ رہا ہو تمنا کر رہا ہو آرزو کر رہا ہو اور فرمایا...... **تفعلوا من خیر یعلمه اللّٰه.** ہر وہ نیک کام دوران حج بھی ہر چھوٹے بڑے کام کو اللہ کریم ملاحظہ فرما رہا ہے۔ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو وہ خود ملاحظہ فرما رہا ہے اور کوئی بندہ بھی جو کام بھی اطاعت الٰہی میں کرتا ہے اُسے یہ فکر نہ رہے کہ میری کی ہوئی نیکی کہاں جائے گی اللہ کریم ذاتی طور پر اُسے مشاہدہ فرما رہے ہیں بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق دل سے ہے فرشتے لکھتے ہیں جو ہاتھ سے اعضا و جوارح سے جو عمل صادر ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں جو لفظ زبان پر آتا ہے وہ لکھتے ہیں **ما یلفظ من قول الا لدیه تعیب عتیده** جو لفظ ادا ہوتا ہے لبوں سے وہ لکھتے ہیں لیکن بعض ایسے کام ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں حج کے ارکان اور حج افعال تو فرشتے لکھیں گے حاجی کس خلوص سے دل کی گہرائی سے کیا تمنا لیے کھڑا ہے یہ فرشتوں کے لکھنے کی بات نہیں ہے یہ بات بندے اور اُس کے رب کے درمیان ہے۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ تم کہاں تک کس حد تک تمہاری تمنائیں نیک ہیں تمہارے ارادے نیک ہیں کتنا درد ہے تمہارے دل میں اسی طرح بعض دعائیں بندہ مانگتا ہے دعا کیا ہے؟ صورت تو دعا کی یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر یا قبلہ رو ہو کر اور چونکہ دعاؤں کا قبلہ عرش عظیم ہے ہاتھوں کو بھی دعاؤں کے قبلے کی طرف اٹھا کر اللہ سے کوئی بات کرے اللہ سے کوئی چیز مانگے۔ اللہ سے اپنی ضروریات مانگے یہ تو صورت ہے دعا کی لیکن حقیقت دعا یہ ہے کہ اسکے دل کی گہرائی میں نہایت خلوص سے کیا تمنا ہے۔ اپنے لیے کسی دوسرے کیلئے اللہ کے حضور وہ کیا چاہتا ہے تو اللہ کریم اُس حقیقت دعا کو بھی جانتا ہے نہ صرف صورت دعا کو۔ صورت دعا تو فرشتہ بھی لکھتا ہے صورت عبادت تو فرشتہ لکھتا ہے۔ صورت حج، ارکان حج کی ادائیگی اور انکی تکمیل تو فرشتہ لکھتا ہے لیکن آپ کے اندر دل کی گہرائی میں کیا ہے؟ کیا تمنا ہے؟ کیا ارادے ہیں؟ کتنا خلوص ہے اور کیا چاہتے ہیں؟ اسے تو وہ جانتا ہے اور فرمایا یہ محض سفر نہیں ہے یہ تو زندگی کا زادراہ ہے ایک دولت ہے جو اثنائے سفر میں کام آئے گی جو پردیس میں یا وہ اپنے گھر پہنچ کر بھی آپ کے کام آئے گی تو ظاہراً بھی اس آیت کریمہ کا وہی حکم ہے جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جس کے پاس اخراجات اور اسباب و وسائل ہوں اُس پر حج فرض ہے لیکن فرمایا سب سے بہترین زادراہ

فان خیر الزاد التقوی سب سے بہترین دولت یا زادِ سفر یا زادِ راہ وہ ہے جو کیفیت حج سے نصیب ہوتی ہے جسے تقوی کہتے ہیں جو قرب الٰہی کی ایک خاص کیفیت ہے جو تعلق باللہ کی ایک ایسی عجیب کیفیت ہے کہ جس میں ہر آن آدمی کی توجہ اس بات پر رہتی ہے کہ کہیں میری اس حرکت سے کہیں میرے اس جملے سے کہیں میری اس بات سے اللہ کریم خفا نہ ہوں ایک ایسا حساس تعلق رب جلیل کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اور فرمایا۔ واتقون یاولی الالباب. اے دانش مند لوگو اگر تمہاری عقل سلامت ہے تو تمہیں یہی تعلق یہ رشتہ میرے ساتھ استوار کرنا چاہیے یہ نہ صرف حج کا حاصل ہے تمام عبادات کا حاصل بھی یہ ہے اور زندگی کے ہر عمل کا حاصل یہ ہے دار دنیا سے جو دولت انسان ساتھ لیجا سکتا ہے اُس کا حاصل یہی ہے کہ اُس کا تعلق ذات باری سے بہت حساس بہت قریبی بہت پر لطف ہو جائے ایسا تعلق ہو جائے کہ اسکی زندگی کو اطاعت الٰہی کی حدود سے نکلنے نہ دے۔ فان خیر از ادالتقویٰ سب سے بہترین زاد جو ہے سب سے بہترین سرمایہ جو ہے اثناء راہ کیلئے بھی منزل کیلئے بھی تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ کریم تمام اعمال کو دیکھتے ہیں اسی طرح حج سال میں ایک بار فرض ہے تو عمرہ بھی حج ہی ہے سوائے اسکے عمرہ میں منیٰ اور عرفات کے ارکان شامل نہیں ہوتے باقی بیت اللہ کی حاضری طواف صفا و مروہ کی سعی نوافل کی ادائیگی یہ سارے امور سر کا منڈانا یہ سارے اُمور عمرہ میں شامل ہوتے ہیں اور عمرہ بھی ایک چھوٹا حج ہے جو سال بھر میں ایک نفلی حج ہے جو سال بھر میں کیا جا سکتا ہے اُسکی کوئی تاریخ مقرر نہیں حج کی تاریخ ہے ذوالحجہ کی آٹھ نو دس مقرر ہیں لیکن آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتا ہے آٹھ ذوالحج کی فجر بیت اللہ میں حرم میں ادا کر کے حجاج کرام منیٰ کو نکلتے ہیں اور پھر پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرنے کے بعد عرفات میں چلے جاتے ہیں اور سورج ڈوبتے ہوئے عرفات سے نکل کر مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور پھر اگلی صبح واپس منیٰ آ کر قربانیاں کرتے ہیں اور شیطان کو کنکر مارتے ہیں یہ بھی سنت ابراہیمی ہے کہ جب آپ اسمٰعیل علیہ السلام کو لیکر منیٰ کی طرف جا رہے تھے تو شیطان نے تین بار راستے میں سامنے آ کر روکنے کی کوشش کی اور انہیں بچہ سمجھ کر اُن کے دل میں بات ڈالنے کی کوشش کی کہ آگے نہ جائیں یہ تمہیں ذبح کر دیں گے یا ابراہیم علیہ السلام سے جب بات کرنے کی کوشش کی کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے اُسے پتھر مارے اور وہ بھاگ گیا تو وہ تینوں مقام اُنکی نشاندہی کر دی گئی اب اُن جگہوں پر پتھر کے مینار بنے ہوئے ہیں اور حجاج کرام اُسی سنت کی ادائیگی میں سات سات کنکریاں مارتے ہیں اُن شیاطین کو جو وہ اپنے ساتھ مزدلفہ سے اٹھا کر لے آتے ہیں تو یہ ارکان حج کی تو لمبی فہرست ہے، ہم بات کر رہے ہیں اصول پر تو جس پر حج فرض ہو وہ ضرور جائے لیکن اگر حج فرض نہیں ہے تو جس پر حج فرض نہیں ہے اُس کیلئے تو اللہ نے اور بہت سی آسانیاں پیدا کر دیں ہیں۔

فرمایا اگر فجر ادا کر کے ذکر اذکار میں رہتا ہے اور اشراق ادا کر کے نکلتا ہے تو اُسے حج کا ثواب ہو جاتا ہے باضابطہ تیاری کر کے غریب آدمی جامع مسجد میں جمعہ کی ادائیگی کیلئے جاتا ہے اُس کا اہتمام کرتا ہے تو جمعہ ادا کرنے پر اُسے حج کا ثواب مل جاتا ہے اللہ کریم اُس کا حج قبول فرما لیتے ہیں گویا جس کے پاس ہمت ہے جس کے پاس حج کے اخراجات ہیں اُس پر زندگی میں اُسے زندگی میں ایک بار وہ سعادت نصیب ہوتی ہے اور جس کے پاس نہیں ہے اُسے تو روزانہ ہر جمعے کو حج نصیب ہو جاتا ہے تو یہ کوئی دکھلاوا یا رسم کی بات نہیں بلکہ اس میں بعض دوسری باتوں کا بھی دھیان رکھنا چاہیے عمرہ اگرچہ سارا سال ہوتا ہے اور بڑے ایسے خوش قسمت لوگ ہیں جو سال میں کئی کئی بار جاتے ہیں وگرنہ ہر سال ایک بار تو ضرور جاتے ہیں انہیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ معاشرے یا ماحول میں اُن کے اردگرد بسنے والی اللہ کی مخلوق میں کتنے ایسے ضرورت مند ہیں جو ایک دانہ خوراک کو ترس رہے ہیں۔ کتنے ایسے ضرورت مند ہیں جو دوا کیلئے تڑپ رہے ہیں کتنے ایسے

ضرورت مند ہیں جو وقت گزارنے کیلئے گھر کا سامان بیچ کر روٹی کا اہتمام کررہے ہیں تو ایک آدمی جا کر عمرہ کر آئے لاکھ' سوا لاکھ' ڈیڑھ لاکھ خرچ کر آئے اُس کے گرداگرد اُس کے قبیلے میں' اُسکی برادری میں اُسکے اڑوس پڑوس میں اُسکے شہر میں لوگ بھوک سے پیاس سے تڑپتے رہیں تو یہ انصاف میدان حشر میں ہوگا تو اُسے کس چیز کو اہمیت دینا چاہیے۔

تو ایسے لوگوں سے میری تو گزارش یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول کو دیکھیں اور اگر ضرورت مندوں کا انبوہ اُن کے اردگرد تڑپ رہا ہے تو مقصد تو اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے ضروری نہیں کہ وہ سفر مکہ سے ہی ہو اور مکہ مکرمہ کی حاضری سے اللہ راضی ہو شائد وہ کسی ایک دل کو راضی کرنے سے اُس سے زیادہ راضی ہو جائے جتنا آپ نے سفر کر کے جانا ہے تو اسے شوق نہیں بنالینا چاہیے پھر جن پر فرض ہے وہ ایک دفعہ کر چکے ہیں تو بار بار اگر اُن کے پاس سرمایہ ہے تو وہ سرمائے کو اللہ کی رضا کیلئے اللہ کی مخلوق کی بہتری پر صرف کریں بجائے اس کے کہ بار بار اُسی ایک مشن پر دوڑتے رہیں تو صورت حال کو دیکھ کر بندے کو فیصلہ کرنا چاہیے چونکہ اصل مقصد دیکھیں مکہ مکرمہ' بیت اللہ شریف تجلیات ذاتی کا مہبط ہے لیکن کتنے ایسے لوگ ہیں جو اُسی شہر مقدس میں پیدا ہوئے اور جن کے جہنمی ہونے کی خبر اللہ نے دنیا میں دیدی ابی لہب بھی تو اُسی شہر کا باسی تھا جسے روز آپ قرآن میں پڑھتے ہیں۔ تبت یدا ابی لہب وتب۔ ابی جہل بھی تو اُسی شہر میں پیدا ہوا اُسی شہر مقدس کا باسی تھا جس کے بارے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دوزخ میں غوطے کھا رہا ہے۔ بدر میں جو اہل مکہ پھینکے گئے کیا وہ اُسی شہر کے رہنے والے نہیں تھے۔

محض اُس شہر خوباں میں جانا مقصد نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں ابن ابی بھی تو تھا زندگی اُس نے وہیں بسر کی وہیں مرا وہیں دفن ہوا تو اُس کا کیا حاصل! یہ درست ہے کہ اللہ کا گھر ہے وہاں یہ درست ہے کہ مدینہ منورہ میں گنبد خضریٰ ہے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا مقدم ہے حج فرض ہے سرمایہ ہو تو ضرور کرنا چاہیے لیکن اگر مزید سرمایہ ہو تو بار بار حج کا سفر کرنے کی بجائے اگر یہاں غریبوں کے دلوں پر مرہم رکھے زخمی دلوں پہ پھاہا رکھے' ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرے بیشمار بچے جو رل گئے بیشمار ضعیف جن کا کوئی پرسان حال نہیں اور وہ بھی اب ایک طریقہ ہو گیا ہے کہ کچھ ادارے بن گئے ہیں اور ہم پیسے دیکر جان چھڑا لیتے ہیں یہ تک نہیں پوچھتے کہ یہ ادارے بنانے والے غریبوں کے نام پر لوگوں کو لوٹ رہے ہیں یا غریبوں کی کوئی مدد بھی کر رہے ہیں تو جو رقم اللہ کے نام پر غرباء میں خرچ کی جائے اُسے صحیح مقام تک پہنچانا بھی اُس بندے کی ذمہ داری ہے جو خرچ کیلئے دے رہا ہے اگر وہ صحیح مقام پر نہیں پہنچے گی تو اُسکی طرف سے اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ یہ وہ جان نہیں چھڑانی چاہیے کہ ہم نے فلاں ادارے کو دیدیا ہماری طرف سے ادا ہو گئے چاہے وہ خرچ کرے یا نہ کرے ایسا نہیں اگر خرچ ہونگے تو آپ کی طرف سے بھی ادا ہونگے یہی مسئلہ زکوۃ کا بھی ہے کہ ہم اداروں کو دیکر جان چھڑا لیتے ہیں۔ اگر وہ صحیح جگہ پہ خرچ نہیں کرتے تو وہ ادا نہیں ہوتی آدمی کے ذمے باقی رہتی ہے تو حج ایک افضل ترین عبادت ہے حضور حق ہے اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور چاہیے کہ حاجی کی پہلی زندگی کی ساری خطائیں معاف ہو جائیں اور اُسکی دلیل یہ ہے کہ بعد والی زندگی پوری طرح سے سدھر جاتی ہے خدانخواستہ اگر زندگی میں تبدیلی نہیں آئی تو پھر حج ادا نہیں ہوا یا مقبول نہیں ہوا کوئی کمی رہ گئی کوئی خامی رہ گئی۔ اللہ کریم حج قبول فرمالیں تو پوری زندگی کی اصلاح فرمادیتے ہیں۔

و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

قربانی کی روح

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 29-12-2006

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمo

قربانی سنت ہے آقائے نامدار ﷺ کی اور یادگار ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی جو ابراہیم علیہ السلام نے منیٰ میں دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑھاپے میں عطا ہوئے اور نوعمری میں ہی بہت خوبصورت۔ بہت ہونہار اور بہت پیارے بچے تھے آخر ان کی نسل سے آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے اس عالم آب وگل میں جلوہ افروز ہونا تھا۔ نور محمدی سے بھی انکی پیشانی دمک رہی تھی اولوالعزم رسولؑ تھے اللہ کے۔

عجیب امتحانات ابراہیم علیہ السلام پر آئے۔ بچپن میں گھر میں اہل خانہ کو بت پرستی میں مشغول پایا۔ قوم کو بت پرستی میں مصروف پایا۔ حاکم وقت کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو وہاں سے اُن کا مقابلہ شروع ہوا آخر تنگ آ کر حکمرانوں نے انہیں آگ میں پھینکا تو آگ گلزار ہوگئی پھر وہاں سے ہجرت کی راستے میں مصر کے حکمرانوں سے واسطہ پڑا اس ابتلا سے گزرے اور آخر عمر میں اللہ کریم نے اسماعیل علیہ السلام عطا فرمائے اُن کے پیدا ہوتے ہی حکم ہوا کہ انہیں ماں بچے کو وہاں چھوڑ آئیں جہاں بیت اللہ شریف تھا۔

بیت اللہ شریف منہدم ہو چکا تھا حضرت نوحؑ کے زمانے میں جب طوفان آیا تو بکھر چکا تھا سیدنا ابراہیمؑ نے جبرائیل امینؑ کی نشاندہی پر حضرت حاجرہؓ کو اور اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑا جو ایک نہایت معصوم دودھ پیتے بچے تھے اور وہ لمبا اور معروف واقعہ ہے حضرت حاجرہؓ کا صفا و مروہ پہ دوڑنا اسماعیل علیہ السلام کا ایڑیاں رگڑنا اور وہاں سے آب زم زم کا نمودار ہونا بہر حال سیدنا ابراہیم خلیل اللہ گاہے بگاہے پتہ کرنے کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے تا آنکہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فلما بلغ معه السعیٰ**۔ جب اسماعیل علیہ السلام کی عمر اتنی ہوئی کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے یا دوڑنے کے قابل ہوئے جب بچہ انگلی پکڑ کر ساتھ دوڑتا ہے اس عمر کو پہنچے تو انہوں نے خواب دیکھا ابراہیم علیہ السلام نے کہ میں اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں انبیاء کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے چنانچہ آپ نے سمجھا کہ مجھے اللہ کا حکم ہے۔ آپ تشریف لے گئے حضرت حاجرہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسماعیل علیہ السلام کو باہر سے گھما پھرا کے لے آؤں۔ آپ اچھی طرح سے کپڑے پہنا کر تیار کر دیجئے اُن سے اپنے خواب کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ وحی الٰہی نازل بھی انبیاء پہ ہوتی ہے اور اُسے سمجھنے کی استعداد بھی انبیاء میں ہوتی ہے۔ غیر نبی نبی کے بتانے سے سمجھتا ہے اور پھر یہ اتنا آسان کام نہیں تھا کہ بڑھاپے میں اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند نصیب ہوا اور جب توتلی توتلی باتیں کر کے دل بہلانے لگے اور انگلی پکڑ کر ساتھ دوڑنے لگے تو اُسے ذبح کر دیا جائے۔ لیکن اللہ کے حکم سے سرتابی کی مجال بھی نہ تھی۔ یہ جنہیں امتحان کہا گیا ہے اور آزمائش کہا گیا ہے اور

قرآن کریم نے بھی آزمائش کہا ہے یہ مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں جو اللہ کے مقرب بندوں پہ اُن کے منازل اور اُن کے درجات کی ترقی کیلئے وارد ہوتے ہیں بندہ مومن پہ جو مصیبت آتی ہے وہ تلافی مافات کیلئے ہوتی ہے اُس سے کوتاہیاں لغزشیں معاف ہوتی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کے پاؤں میں کوئی ہلکا سا کانٹا بھی چبھ جائے تو اُس کے عوض بھی اُس کے گناہ معاف فرمائے جاتے ہیں اور اہل اللہ پر اور مقربین پر جو تکالیف آتی ہیں یہ ترقی درجات کیلئے ہوتی ہیں اور بعض منازل عنداللہ ایسی ہیں جن کیلئے وہ تکالیف ضروری ہیں اور یہ مجاہدہ اضطراری کہلاتا ہے یوں ترقی درجات کیلئے مجاہدات ہی شرط ہیں محنت شرط ہے اللہ کا بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اسمیں اپنے پورے خلوص سے پوری محنت کرتا ہے اور وہ مجاہدات کچھ تو اختیاری ہوتے ہیں کہ اپنی مرضی سے جیسے فرائض تو فرض ہیں اور اُس کے بعد لوگ رات رات بھر نوافل پڑھتے رہیں یہ مجاہدہ اختیاری ہے کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ایسا کیا۔ بعض کو قرآن حکیم سے ایسی محبت تھی کہ شب بھر میں قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنا اپنا رویہ رہا جتنی محبت الٰہی جتنی طلب وصل کسی میں تھی اُس طرح سے کرتے رہے اور اللہ کے مقرب بندوں پر بعض مجاہدہ جو بلا ارادہ آتا ہے اضطراراً آجاتا ہے تو وہ بھی ضروری ہوتا ہے ان کے بلند منازل سے مزید بلند تر ہونے کیلئے چونکہ قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

تو یہ ایک مجاہدہ اضطراری تھا دو رسولوں کیلئے دو نبیوں کیلئے وہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لیکر وہاں پہنچے راستے میں تین جگہ شیطان نے مداخلت کرنا چاہی اور آپ نے اُسے کنکر مارے جہاں حاجی انہی مقامات پر اُسی ادا کی یاد میں کنکریاں مارتے ہیں تو منیٰ میں آپ نے بات کی اسماعیل علیہ السلام سے ایک ننھا بچہ جو ابھی انگلی پکڑنے کے قابل ہوا تھا لیکن وہ اللہ کا اولوالعزم رسول تھا آپ نے بات ارشاد فرمائی انی اری فی المنام میں نے خواب دیکھا ہے بیٹا کہ میں آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں اب جواب دیکھیے اگر خواب بتانے والا اللہ کا مقرب بندہ اور اللہ کا رسول اولوالعزم پیغمبر تھا اولوالعزم رسول تھا تو جواب دینے والا جو بچہ تھا وہ بھی اللہ کا رسول اور اولوالعزم رسول تھا۔ انہوں نے فرمایا یا بت فعل ماتومر انہوں نے خواب کی تعبیر نہیں بتائی انہوں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کا خواب وحی الٰہی ہے اور جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کر گزریئے۔

یابت افعل ماتو مرُ. اُن کے الفاظ پہ غور فرمائیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابا جی آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کر گزریئے اور رہی میری بات کہ آپ شائد یہ سوچ رہے ہیں کہ میں ننھا ہوں بچہ ہوں۔ بیشک میری عمر کم ہے لیکن میں بھی اللہ کا رسول ہوں میرے دل میں بھی جذبہ الفت اُتنا ہی ہے جتنا ایک رسول کے دل میں ہوتا ہے۔ مجھے بھی اللہ سے وہی محبت ہے اور میری اطاعت بھی اُسی درجے کی ہے جس درجے کی ایک اللہ کے رسول کو زیب دیتی ہے لہٰذا سجدنی انشاء اللہ من الصبرین. آپ میری طرف سے نہ گھبرائیں انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنیوالوں میں پائیں گے چنانچہ آپ نے ذبح کرنے کیلئے اسماعیل علیہ السلام کو لٹا دیا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بچے کی آنکھوں پہ پٹی باندھی اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھ لی کہ مبادا شفقت پدری مانع آجائے یا اسماعیل علیہ السلام کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں مجھے دیکھیں چونکہ خصوصیات انسانی انبیاء ورسل میں بھی ہوتی ہیں یہ الگ بات کہ وہ دوسرے انسانوں سے بہت ہی بلند اور بہت ہی افضل ہوتے ہیں اور کوئی بشر نبی جیسا کوئی غیر نبی نہیں ہوتا اپنی بشریت کے اعتبار میں بھی لیکن بہر حال شفقت پدری اور دوسری ضروریات انسانی جو روا ہیں جائز ہیں محبتیں وہ انبیاء ورسل میں بھی ہوتی

ہیں تو آپ نے اللہ کا نام لیکر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے چھری چلا دی خون کا فوارہ نکلا جسم تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بالکل یہی سمجھا کہ میں نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا لیکن جب آپ نے آنکھوں سے پٹی کھولی اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ بچہ پاس کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے اور ایک دنبہ یا ایک جانور ذبح ہو چکا ہے تو آپ پریشان ہوئے ایک دفعہ کہ یہ کیا ہو گیا کہ مجھے تو بیٹے کی قربانی کرنی تھی اور یہ جانور یہ دنبہ کہاں سے آ گیا اور یہ کیسے ذبح ہو گیا کس طرح کس نے اسماعیل علیہ السلام کو چھری کے نیچے سے نکال لیا اور کس طرح وہ کھڑے مسکرا رہے ہیں اور یہ جانور کس نے چھری کے نیچے رکھ دیا میری سمجھ میں نہیں آیا میں نے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلا دی اب اس لمحے ایک لمحے میں یہ سب کچھ کیسے تبدیل ہو گیا اور میری قربانی ادا ہوئی یا نہ ہوئی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ مت گھبرائیے **قد صدقتہ الریا**. آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

اب یہ حکمت الٰہی تھی غرض آزمائش تھی مقصد امتحان تھا۔ مقصد ترقی درجات تھی۔ مقصد وہ جذبہ تھا جو آپ کے قلب میں موجود تھا اور اُس کی آزمائش تھی کتنی محبت ہے اللہ کریم کی اور اُس محبت پہ باقی ساری محبتیں کیسے قربان کی جا سکتی ہیں۔ بڑھاپے میں اور سفید بالوں سے پہلے اگر کوئی اولاد نہ ہو بڑھاپے میں بچہ عطا ہو اور وہ بچہ اسماعیل علیہ السلام جیسا ہو اور پھر اُس سے کتنی محبت ہو سکتی ہے یہ ابراہیم خلیل اللہ کے قلب ہی سے پوچھا جا سکتا ہے اور پھر اُسے ذبح کرنے کا حکم دیدیا گیا اور بلا چوں و چراں بغیر کسی حیل و حجت کے بغیر کسی تاویل کے آپ نے اُس پر عمل کر دکھایا اور اللہ کریم نے فرمایا۔ قد صدقت الریا۔ آپ نے خواب سچ کر دکھایا۔ اب جو قربانی کی اصل روح ہے یا قربانی کا جو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ ہر عمل پر اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اُن میں ایک دو چیزیں جو ہیں وہ بڑی خاص ہوتی ہیں اُن میں ایک تو یہ ہوتا ہے کہ بندے کا جو تعلق اللہ کے ساتھ ہے وہ کتنا گہرا ہے اُس کا جو ایمان ہے اور یقین ہے اللہ کی عظمت پر اُسکی گہرائی و گیرائی کس قدر ہے دوسری چیز ہوتی ہے جو عمل وہ کر رہا ہے اُس عمل کے کرنے میں اُس کا کتنا خلوص شامل ہے جتنا جس کے دل میں عظمت الٰہی ہو گی اور جتنا اُس کے عمل میں خلوص ہو گا اسی طرح سے انوارات و برکات نازل ہوتی ہیں۔

یہی فلسفہ باجماعت نماز میں ہے کہ اگر اکیلا بندہ نماز پڑھتا ہے نماز تو ادا ہو جاتی ہے لیکن اُس اکیلے بندے کے اپنے جذبہ ایمان، اپنے خلوص کے مطابق انوارات و برکات اُس پر وارد ہوتے ہیں لیکن اگر دو ہو جائیں تو ہر بندے کا چونکہ رشتہ اللہ سے الگ ہے تو دوسرے کی جس طرح کی ایمانی اور قلبی کیفیت ہے جس طرح کا خلوص ہے اُس پر اُس طرح کی کیفیات انوارات اور برکات کا نزول ہوتا ہے تو دونوں طرف جب بارش نور کی برستی ہے تو دونوں اُس سے مستفید ہوتے ہیں اور دونوں کو دو طرح کی رحمت نصیب ہو جاتی ہیں اسی طرح سے اگر اُن کی تعداد دس ہو جاتی ہے۔ بیس ہو جاتی ہے پچاس ہو جاتی ہے یا لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے جیسے حج کی نماز میں پچیس چھبیس لاکھ تو باہر سے گئے ہوئے لوگ ہوتے ہیں اور میرے خیال میں کچھ نہیں تو لاکھوں کے حساب سے مقامی بھی ہو جاتے ہونگے تیس پینتیس لاکھ بندے جب ایک تکبیر پہ نماز ادا کرتے ہیں تو جتنے افراد ہوتے ہیں اتنی لاکھوں قسم کی رحمتیں اُتنے لاکھوں قسم کے انوارات کی بارش ہوتی ہے اور جب وہ رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو جتنے وہاں صفوں میں موجود ہوتے ہیں سب پر ساری تقسیم ہوتی ہیں اور سب کو قرب الٰہی کی عجیب و غریب لذتیں نصیب ہوتی ہیں۔

اس طرح یہاں بھی دو اولوالعزم رسولوں کا خلوص اور اُنکی محبت اور اُن کا جذبہ ایثار جمع ہو گیا اور اُس پر کس طرح کے انوارات و تجلیات وارد ہوئے

ہونگے اُس پر کس طرح کی رحمتیں وارد ہوئی ہونگی اور اُن کے مقام ومراتب عنداللہ کس طرح سے بلند ہوئے ہونگے یہ بات اللہ ہی جانتا ہے لیکن ہم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ بہت ہی اعلیٰ اللہ کی رحمت بہت ہی والہانہ انداز میں لپکی ہوگی انوارات وتجلیات کی بے پناہ بارش ہوگی اور انتہائی قرب کے انوارات وتجلیات ذاتی جلوہ گر ہوئی ہونگی اور بہت ہی اعلیٰ مقامات انہیں نصیب ہوئے ہونگے۔ اب یہ ایک ایسی نعمت تھی کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کریم نے اپنی رحمت سے حضور نبی کریم ﷺ کو اور آپ کی ساری اُمت کو اُن برکات میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرما دی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اُس سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے جانور قربان فرمائے۔

بلکہ سیرت میں یہ موجود ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک قربانی پر سو اونٹ نحر فرمائے جن میں سے تریسٹھ آپ نے اپنے دست مبارک سے نحر کیے اور باقی حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ میری طرف سے قربان کر دو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کیلئے صرف یہ نہیں کہ ایک جانور ذبح کر دیا جائے بلکہ ایک جذبہ ہے ایک الفت ہے ایک تعلق ہے اللہ کریم کے ساتھ وہ کتنا اُس تعلق پہ آدمی کیا کچھ قربان کرنا چاہتا ہے ایک قربانی کرتا ہے دس کرتا ہے پچاس کرتا ہے سو کرتا ہے کتنی کرتا ہے اور ہر قربانی اُس طرح کی کیفیات عطا کرتی ہے جو کیفیات اُن دو اولوالعزم رسولوں پر قربانی دینے کے وقت اللہ کی طرف سے جو تجلیات برسیں جو رحمتیں نازل ہوئیں۔ اب اُسی طرح کی رحمت وہی کرم الٰہی وہی انوارات وتجلیات اُس بندے کو نصیب ہوتی ہیں خواہ اُن کا عشر عشیر سہی کوئی ایک کرن سہی لیکن ایک وہ کرن بھی دنیا ومافیہا سے بڑھ کر قیمتی ہو جاتی ہے جب بندہ اُس خلوص کے ساتھ اُس جذبے کے ساتھ اطاعت الٰہی کے اُس درجے کو پیش نظر رکھتے ہوئے جانور قربان کرتا ہے وہ قربانی صرف جانور کی نہیں ہوتی درحقیقت وہ جذبہ ایثار ہوتا ہے کہ یا اللہ زندگی میں کوئی بڑے سے بڑی چیز بھی تیرے اور میرے درمیان آئی تو میں اُسے قربان کر دوں گا۔ وہ اولاد کی محبت ہو، وہ مال کی محبت ہو وہ اقتدار کی محبت ہو کسی طرح کی کوئی محبت تیرے اور میرے درمیان نہیں آئے گی اگر تیرے اور میرے درمیان آئے گی تو میں اُسکی گردن پہ چھری چلا دوں گا میرا تعلق جو میرے مالک کے ساتھ ہے وہ محبت تمام محبتوں پہ غالب رہے گی یہ ایثار، یہ خلوص، یہ نیت ہے بندے کی طرف سے۔

اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اپنا قربانی کا جانور خود ذبح کیا جائے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو کوئی ذبح نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ خود بھی پاس تو رہے اور اپنا خلوص اپنا جذبہ ظاہر کرے اور اپنے دل کو ٹٹولے کہ کیا میں صرف ایک جانور ہی قربان کر سکتا ہوں جیسے کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا قربانی کا گوشت یا تمہارا قربانی کا خون اللہ کو نہیں پہنچتا اور اُسکی اللہ کو ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے تمہارے اُس جذبہ قربانی کو دیکھتا ہے کہ کس جذبے سے تم قربانی کر رہے ہو وہ جذبہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے تعلق اتنا مضبوط ہو اور اللہ کریم سے محبت ایسی ہو کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی محبت جو بندے اور اللہ کے درمیان آنا چاہے تو بندہ اُس پہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری چلا دے۔

تیغ لا برکش کہ او معبود تست
غیر حق یک ذرہ مقصود تست

اللہ کے علاوہ اگر ایک ذرہ بھی تیرا مقصد بن جائے تو اُس پر لا کی تیغ چلا کر اُسے ذبح کر دے فناہ کر دے کہ وہ تیرا معبود بننے جا رہا ہے۔ معبود بننے کا حق صرف اللہ کو ہے۔

تو قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ وہ جذبہ بیدار کیا جائے۔ ایثار کا وہ مقام حاصل کیا جائے کہ جس طرح میں اس جانور کو اے اللہ تیرے نام پر کاٹ

رہا ہوں ذبح کر رہا ہوں اسکو تیرے نام پہ نچھاور کر رہا ہوں اور اس کے کاٹنے سے مجھے مالی منفعت بھی مطلوب نہیں ہے میں اس کا چمڑہ نہیں بیچنا چاہتا اس کا گوشت نہیں بیچنا چاہتا بلکہ اس سارے کو ذبح کر کے تیرے نام پر تیرے بندوں میں تقسیم کر دوں گا۔ تیری مخلوق کھائے گی تو اسے قبول فرمایہ ایک علامت ہے اُس جذبہ اطاعت کی جو بندے کو اپنے سارے وہ جذبات جو اس کے اور اُس کے معبود کے درمیان آئیں خواہ وہ دولت ہے اولاد کی محبت ہے، شہرت کی محبت ہے یا وقار کی اور اقتدار اور اختیار کی محبت ہے تو یہ ساری محبتیں جو ہیں محبت الٰہی کے تابع ہیں اُس دائرہ اطاعت کے اندر تو سب درست اولاد سے محبت کرنا اللہ کی محبت کو مانع بھی نہیں ہے۔ اللہ کی اطاعت ہے کہ محبت کرو۔ اللہ کی مخلوق سے محبت کرنا اللہ کی اطاعت ہے ہر نیک کام سے محبت کرنا اللہ کی اطاعت اور عبادت ہے لیکن اگر کوئی ایسی محبت درمیان میں آ جائے جو اللہ کے حکم سے روکتی ہو یا بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہوتی ہو تو وہ خواہ مال ہو یا دولت ہو، اقتدار ہو یا اختیار ہو، جان ہو یا اولاد ہو یا مال ہو کوئی بھی چیز ہے اللہ کی راہ میں وہ قربان کر دی جائے گی یا اُسے چھوڑ دیا جائے گا اور اللہ کی بارگاہ سے روگردانی نہیں کی جائے گی۔ قربانی اس جذبے کی مظہر اور علامت ہے۔

جب ہم بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور ذبح کرتے ہیں تو وہ جانور کا کاٹنا اس جذبے کی علامت ہے کہ اے اللہ تیرے اور میرے درمیان اگر کوئی جذبہ بھی آیا تو میں اُس پر تیغ لا چلا دوں گا اُسے کاٹ دوں گا اُسے ذبح کر دوں گا لیکن جو میرا رشتہ تیری ذات کے ساتھ ہے اُس میں کوئی رخنہ آنے نہیں دوں گا تو قربانی کی روح یہ ہے قربانی کا ٹوٹل پورا کرنا تو مقصد نہیں ہے کہ کوئی ایک لاغر سا جانور یا شہرت کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ بڑی نمائش کے لئے قیمتی جانور بہت زیادہ قیمت کا لیکر اُسے ہار سنگھار پہنا کر گھمایا جائے اور شہرت حاصل کی جائے نہ یہ شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور نہ یہ خانہ پُری کرنے کی بات ہے بات ہے جذبات کی اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کرے کہ اچھا جانور ہو ایک سے زیادہ کر سکتا ہے تو زیادہ کرے۔ جتنی حیثیت ہے اور جتنا جذبہ دروں ہے جتنا دل چاہتا ہے اتنی زیادہ کرے اور اُس پر وہ رحمتیں وہ تجلیات' وہ انوارات نازل ہونگے جو ابراہیم خلیل اللہ پر اسماعیل ذبیح اللہ کی گردن پر چھری رکھ کر نازل ہوئے تھے۔ وہ برکات نازل ہونگی جو آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ نے قربانی ادا فرمائی تو جس طرح کی برکات نازل ہوئیں جو انوارات وتجلیات نازل ہوئے یہی انوارات وتجلیات جوان آزمائشوں امتحانوں کے صلے میں نازل ہوتے ہیں وہ قلب کو اللہ کی عظمت سے مربوط کر دیتے ہیں جہاں جہاں آپ کو قرآن کریم میں مثالیں ملتی ہیں اطاعت کے اعلےٰ معیار کی وہاں ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔

اصحاب کہف چند نوجوان تھے۔ ساری قوم شرک میں مبتلا تھی وہ اللہ کی محبت میں کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا ہم قوم کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے لیکن ہم ان میں رہیں گے بھی نہیں ان کے ساتھ زندگی بھی بسر نہیں کریں گے نکل گئے جنگل میں جا کر غار میں چلے گئے اب غار میں وہ برسوں صدیاں سوئے رہے اور اللہ نے انہیں دوبارہ زندگی دی اور دوبارہ دنیا پہ ظاہر ہوئے اور پھر اللہ نے انہیں غار ہی میں اپنی پناہ میں لے لیا اس سارے معاملے میں آپ یہ دیکھیں گے کہ اللہ کریم فرماتا ہے۔

وربطنا علی قلوبھم اتنی ہمت اُن میں کہاں سے آ گئی کہ انہوں نے بھائی، بہن، گھر بار، مال ودولت زندگی کی ساری خوشیاں چھوڑ دیں اور صرف اللہ کی رضا کیلئے ہمیشہ کیلئے غار میں گم ہو گئے اُس کے پیچھے طاقت کیا تھی جس نے انہیں اللہ کا رابطہ دیا **وربطنا علی قلوبھم** اُن کے دلوں کے ساتھ ہم نے رابطہ رکھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم

ہوا الہام ہوا کہ بیٹے کو دریا میں ڈال دو اب ایک ماں کیلئے ایک نوزائیدہ بیٹا دریا میں ڈال دینا کیسے ممکن ہے اور پھر سوائے اُس الہام والقاء کے جو ان کے قلب پہ وارد ہو رہا ہے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی وہ ولیہ تھیں اللہ کی طرف سے اُن کے قلب پہ یہ بات وارد ہو رہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دو میں تمہیں یہ واپس دوں گا۔ واپس تمہارے پاس آئے گا میں اسے اپنا رسول بناؤں گا اور یہ میرا دوست اور پیغمبر ہوگا۔ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود ایک قلب میں خیال آ رہا ہے من جانب اللہ ایک بات دل پہ القاء ہو رہی ہے اب اُس پہ اطاعت کر کے بچے کو نومولود بچے کو اُسکی اپنی ماں اپنے ہاتھوں دریا میں ڈالنے کی جرات کہاں سے کرے وہاں ارشاد ہوتا ہے وربطنا علی قلبھا ہم نے اُس کے دل کے ساتھ رابطہ رکھا یہ جرات اُسے نصیب ہوئی تو ان عبادات کا مقصد وہ رابطہ بھی ہوتا ہے جو اُن انوارات کے نزول سے بندے کے قلب کو نصیب ہوتا ہے اور اُس میں وہ جرات رندانہ آ جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی نعمت کو ٹھکرا دیتا ہے اگر وہ نعمت اللہ کے حکم کے خلاف ہو۔ اگر وہ حکومت ہو، سلطنت ہو، ریاست ہو، اولاد ہو، مال ہو یا جان ہو، جان بھی راستے میں آئے تو اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ اسی لئے اُسے شہید کہا جاتا ہے۔ شہید کا مطلب ہوتا ہے گویا کہ اُس نے جان دیکر اللہ کی عظمت پہ گواہی ثبت کر دی کہ اللہ کی بارگاہ اس قابل ہے کہ وہاں جان بھی نثار کر دی جائے لیکن رشتہ الفت استوار رہے تو قربانی کی روح یہ ایک عمل جو ہے اسکی علامت ہے اس جذبے کے اظہار کی علامت ہے روح اسکی یہ ہے کہ اے اللہ میرے دل کا تعلق تیری بارگاہ سے ایسا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت تب تک مجھے عزیز ہے جب تک وہ تیری اطاعت کی حد کے اندر ہے اگر تیرے حکم سے کوئی چیز ٹکرائے گی تو میں تیرے حکم کو دل میں جگہ دوں گا اور ٹکرانے والی چیز کو فنا کر دوں گا یہ حاصل ہے قربانی کا۔ اس میں صرف گوشت کھانا یا جانور کا ٹانیا ٹوٹل پورا کرنا کوئی لاغر، دبلا، پتلا سستا سا لیکر ٹوٹل پورا کر دیا یا اسے نمائش بنانا کہ بہت مہنگے خرید کر انہیں ہار سنگھار کر کے لوگوں کو دکھانا یہ اس کے لئے نہیں ہے۔ یہ ایک بات ہے جو بندے اور اُس کے مالک کے درمیان ہے اور یہ علامت ہے اُس جذبہ وایثار کی جو بندے کے دل میں موجود ہے بندہ اپنا ایثار پیش کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں دل کے ساتھ ایک ربط ہو جاتا ہے وربطنا علی قلوبھم والی بات بن جاتی ہے پھر اُسے زندگی میں اطاعت الٰہی کرنا سہل ہو جاتا ہے مشکل نہیں رہتا۔ مشکلیں مشکل نظر نہیں آتیں۔ دشواریاں دشواریاں نہیں رہتیں بلکہ ہر حال میں وہ اللہ کریم کی اطاعت کرتا ہے۔

خواہشات وہ نفس کی ہوں یا خارجی ہوں کوئی بھی خواہش اللہ کی اطاعت کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اندازہ کیجئے کہ کس طرح کی تجلیات، کس طرح کی رحمتیں نچھاور ہوئی ہونگی جب ایک اولوالعزم رسول گردن چھری کے نیچے رکھ چکا تھا ایک اولوالعزم رسول چھری ہاتھ میں لیے گردن پر چھری چلا رہا تھا تو کتنا ایثار، کتنا قرب، کتنا خلوص اُن مقدس دلوں میں تھا اور کتنی ذاتی تجلیات اور کتنی کھربوں رحمتیں اور کس طرح کس رنگ کی رحمتیں، کن خوشبوؤں سے بسی ہوئی اور کن نعمتوں سے لدی پھدی وہ رحمتیں نازل ہوئی ہونگی امت محمدیہ کو اللہ نے یہ عظمت بخشی کہ وہ ایک جانور ایک دنبہ ذبح کر کے اُن رحمتوں میں شریک ہو سکتا ہے جو اُن اولو العزم رسولوں پر نازل ہوئی تھیں اُن برکتوں میں شریک ہو سکتا ہے جو آقائے نامدار ﷺ پر نازل ہوئی تھیں تو قربانی علامت ہے اور اُسکی روح وہ جذبہ ہے جسکا اظہار جانور کو ذبح کر کے کرتے ہیں۔

و آخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆

اسلام میں ٹیکس

اسلام میں ٹیکس دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ٹیکس ہے کہ ملک میں باہر سے جو چیز آئے حکومت اس پر ٹیکس لیتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وقتی ضرورت پڑ جاتی ہے' جنگ ہوتی ہے' کوئی وبا ہے' زلزلہ آ گیا تو ضرورت پڑ گئی' ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حکومت اسلامیہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص چیز پر کوئی ٹیکس لگا دے' جیسے تیل کے ساتھ ٹیکس لگا دیا گیا۔ لیکن یہ تب تک ہے جب تک وہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ضرورت پوری ہو گئی تو ٹیکس ختم' اس کے بعد لوگ آزادی سے کمائیں' زکوٰۃ دیں' کاشتکاری کریں' کارخانے چلائیں اور زکوۃ دیں۔ اگر اس نظام میں باقاعدگی لائی جائے تو حکومت کے سارے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا مالی نظام پیسہ کمانے سے لے کر اس پیسہ کو خرچ کرنے تک آدمی کے ساتھ جاتا ہے' رہنمائی کرتا ہے' دستگیری کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا مالی نظام کمانے اور ٹیکس دینے کے بعد ساتھ نہیں دیتا کہ اسکے بعد ٹیکس گزار کیا کرتا ہے' اپنی دولت کہاں لٹا رہا ہے' صحیح خرچ کر رہا ہے' غلط خرچ کر رہا ہے' کوئی نہیں پوچھتا۔

ماخوذ از اکرم التفاسیر جلد دوئم صفحہ 223

تعاون

تاجران کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

شیخ ناصر' شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

سوال وجواب

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان [illegible] 17-07-2007

سوال :- تصوف کے لئے دینی علوم کا جاننا ضروری ہے اور جو علوم دین کے بغیر تصوف حاصل کرے اسکے بارے کیا احکامات ہیں؟

جواب :- پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو ان میں موجود کیفیات کے ساتھ حاصل کیا جائے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں وہ کیفیات ہوتی ہیں جو انسانی سوچ کو اتنا متاثر کرتی ہے انہیں اتنی مضبوط تبدیلی فکر عطا کرتی ہے جس سے ان کا کردار تبدیل ہو جاتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات غیر نبی کی تعلیمات کی طرح نہیں ہوتیں۔ کسی بھی فن کا ماہر یا عالم یا استاد اپنے اپنے فن کی تعلیم دیتا ہے مثلاً استاد پڑھنا لکھنا سکھاتا ہے' حروف سے الفاظ پھر معانی پھر جملے تراکیب اور عبارت تک لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے یا موٹر میکینک ہر پرزے کا نام جانتا ہے پرزے کھولنا' جوڑنا اور اُن کے کام کو جانتا ہے خراب ہو جائیں تو درست کرنا جانتا ہے لیکن ان علوم سے اس کے کردار' ارادے یا سوچ کی اصلاح نہیں ہوتی اسی طرح کوئی تاریخ پڑھاتا ہے اور آدمی کے علم میں بے شمار واقعات آتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان واقعات کو سننے اور جاننے کے بعد اس کی سوچ' فکر یا کردار پر کوئی اثر بھی پڑے یعنی تمام شعبوں کے استاد جو کچھ بھی سکھاتے پڑھاتے ہیں وہ اس شعبے کے بارے خبر دیتے ہیں لیکن نبی علیہ السلام علم تقسیم فرماتے ہیں۔ اللہ کے نبی کی بات میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ جو بات بھی بتاتے ہیں اُن کے الفاظ میں وہ کیفیات ہوتی ہیں جو آدمی کی سوچ اسکی فکر اور اسکے کردار کو تبدیل کر دیتی ہیں۔

حضور ﷺ ایسے معاشرے میں مبعوث ہوئے جو صدیوں سے بت پرستی کا شکار تھا' کفر اور شرک میں مبتلا تھا۔ لوگوں کی زندگیاں بے لگام تھیں' چوری' ڈاکہ اور اخلاقی برائیوں میں سے جو کچھ کسی سے ہوسکتا تھا وہ سب ہو رہا تھا صدیوں سے اس روش پر چلنے والوں کو جب حضور ﷺ نے لا الہ الا اللہ کی دعوت دی اور جس نے اس کلمے کو قبول کر لیا اس کے دل کی گہرائی میں یہ بات اتر گئی اور اسکی فکر میں ایسی اتری کہ اسکے عمل میں یوں ظاہر ہوئی کہ اس نے غیر اللہ کی عبادت کا انکار کر دیا اور جوں جوں احکام شریعت نازل ہوتے گئے ویسے ویسے ان پر خلوص دل سے عمل ہوتا گیا مثلاً شراب کی حرمت کا حکم آیا تو وہ لوگ کہ شراب جنکی روزمرہ زندگی میں مشروب کے طور پر صدیوں سے استعمال ہو رہی تھی اسکے استعمال سے یکدم رک گئے سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا شراب حرام ہے تو سارے معاشرے نے فی الفور ترک کر دی حالانکہ شراب انکی روزمرہ غذا کا حصہ تھی اور اس خلوص سے ترک کی کہ صحابیؓ شراب کا کاروبار کرتے تھے اونٹوں پر ان کے مشکیزے لدے ہوئے تھے انہیں اللہ کے رسول ﷺ کا حکم اثنائے سفر ملا تو انہوں نے وہیں کھڑے اونٹوں پر ہی مشکیزے چیر دیئے اور سارا سرمایہ بہا دیا۔

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں وہ کیفیات وہ اثر انگیزی ہے جو سوچ کو ایسے متاثر کرتی ہے کہ کردار بدل جاتا ہے۔ یہ عالم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے نبی ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کی اسی لئے انہیں صحابیؓ کہا جاتا ہے صحابی کے لغوی معنی صحبت یافتہ کے ہیں اصطلاحاً یہ اُن خوش نصیب افرادِ اُمت کے لئے استعمال ہوتا ہے جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی اور وہ امانت، دیانت، عمل صالح اور اخلاص میں اُن بلندیوں پر پہنچے کہ غیر صحابی میں ان کی مثال نہیں مل سکتی اور کردار کی اس بلندی کو پانے کے لئے انہیں علیحدہ سے کوئی چلہ کشی نہیں کرنا پڑی۔ آپ ﷺ کی ایک نگاہ پاک نے انہیں وہاں پہنچا دیا کہ حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے ارشادات جنہیں تعلیمات نبوت کہتے ہیں ان کی کیفیات بھی صحابہؓ میں منتقل ہو گئیں۔ صحابہؓ میں وہ کیفیت اسی قوت سے تھیں تو جو اُن کی صحبت میں پہنچا اُسے کیفیات منتقل ہوئیں اور وہ تابعی کہلایا۔ تبع تابعین پر بھی بھرپور ابرِ کرم برسا انہیں تابعین سے صحبت حاصل ہوئی اور تعلیمات نبوت کیساتھ ساتھ برکات نبوت بھی نصیب ہوئیں۔ پھر جوں جوں زمانہ دور ہوتا گیا تو الفاظ اور کلمات یعنی تعلیمات نبوت تو منتقل ہوتی رہیں وہ کیفیات اس طرح سے منتقل نہ ہوئیں۔

سب سے اعلیٰ کلام قرآن کریم ہے اور پوری دنیا کو یہ حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے پہنچا ہے یہ اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے اس میں جمال الٰہی کا پرتو اور عکس ہے پھر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے مخلوق تک پہنچا تو حضور ﷺ کی برکات بھی اس میں ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی قرآن کا حافظ ہے، قرآن کی تفسیر جانتا ہے قرآن کے معنی اور مفاہیم جانتا ہے لیکن عملی زندگی میں اس کا کردار علوم قرآن کی عکاسی نہیں کرتا اسکی کیا وجہ ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس تک الفاظ پہنچے ہیں تعلیمات پہنچی ہیں کیفیات نہیں پہنچیں۔ ان الفاظ کے ان تعلیمات کے جو اثرات قلب پر ہونے چاہیں جو اثرات فہم وشعور پر ہونے چاہیں جو اثرات آرزوؤں اور خواہشات میں بس جانے چاہیے تھے وہ نہیں پہنچے نتیجتاً کردار درست نہیں ہوتا ان کیفیات کو پانا انہیں حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا مجاہدہ کرنا تصوف کہلاتا ہے اور لفظ تصوف قرآن حکیم کے لفظ تزکیہ کا اُردو ترجمہ ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ صوفیا صوف پہنتے تھے اس مناسبت سے یہ تصوف ہوا بعض نے اسے صفائے باطن کہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تزکیے کا متبادل لفظ ہے عربی لفظ تزکیہ ہے فارسی میں ترجمہ ہوا تو تصوف کہلایا مراد اس سے حضورِ حق کی وہ کیفیات ہیں جو اللہ کے کلام میں ہیں انہیں حاصل کرنا واجب ہے۔ جب وہ حاصل ہو جاتی ہیں تو قرآن حکیم فرماتا ہے **ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ** انکی جلد سے لیکر نہاں خانہ دل تک وجود کا ذرہ ذرہ اللہ کی یاد سے روشن ہو جاتا ہے تو یادِ الٰہی، ذکر اللہ ان برکات کا ثمر ہے پھل ہے اور ہر پودے کا پھل ہی اس کا بیج بھی ہوتا ہے اسی پھل کے بیج کو زمین میں دبا کر محنت کریں، پانی دیں، گوڈی کریں تو پھر وہی بیج پودا بن جاتا ہے اور پھر تناور درخت نکل آتا ہے۔

تصوف میں بھی ذکر اللہ بیج ہے اور شیخ کی محنت اور صحبت سے برکات نبوت حاصل ہوتی ہیں۔ ذکر اللہ کیساتھ یہ شرط بھی ہے کہ کوئی ایسا بندہ مل جائے ایسے شخص کی صحبت مل جائے جس نے برکات نبوت اپنے سے پہلوں سے حاصل کی ہوں اس لئے کہ یہ ایک انعکاسی عمل ہے جو دلوں سے دلوں کو چلتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح الفاظ وتعلیمات زبانوں سے ذہنوں میں منتقل ہوتے ہیں تو یہ دونوں چیزیں حاصل کرنا ضروری ہیں کلام الٰہی کلام پیغمبر ﷺ اور کلامی الٰہی

اور کلام پیغمبر ﷺ کی کیفیات۔ کلام الٰہی یعنی علم دین حاصل کرنا تعلیم دین ہے اور وہ کیفیات دل میں اتارنا تصوف ہے یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

رہا یہ سوال کہ کتنا علم دین جاننا ضروری ہے؟ تو سمجھ لیجئے کہ فرض کا جاننا فرض ہے واجب کا جاننا واجب ہے سنت کا جاننا سنت ہے اور روزمرہ کے ضروری امور۔ طہارت، پاکیزگی، حلال، حرام ضروری عبادات نماز، روزہ، زکوۃ یہ سب جاننا سب کے لئے فرض ہے اور عموماً ہر مسلمان جانتا بھی ہے اور کسی بھی ایسے بندے سے جو اتنا بتا سکتا ہو اس سے سن کر سیکھا جا سکتا ہے اس لئے بیعت اصلاح کی جاتی ہے اور اس میں علماء نے یہ شرط رکھی ہے کہ جو شخص احکام دین جانتا ہو اور روزمرہ کے مسائل سے آگاہ ہو اس سے بیعت اصلاح کی جا سکتی ہے اور اس کے لئے بہت بڑا عالم مفسر، محدث، فقیہ ہونا لازم نہیں۔ علوم ظاہری جاننے والے کو عالم کہتے ہیں لیکن اگر اس کے پاس کیفیات باطنی نہ ہوں تو اس کا جاننا علم کے درجے تک نہیں پہنچتا وہ خبر کے درجے میں رہتا ہے اس لئے کہ وہ منبر پر بیٹھ کر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر عمل نہیں کرتا اگر اس کے پاس علم ہوتا تو اس علم کا اثر اس کے کردار پر آتا کیونکہ یہ علم کی خصوصیت ہے کہ وہ دل میں گھر کر جاتا ہے۔ ان کیفیات خشوع وخضوع کے حصول کیلئے شرط ہے کہ کوئی ایسی ہستی ملے جس نے متقدمین سے وہ برکات نبوت انعکاسی طور پر حاصل کی ہوں اسی لئے ہر سلسلہ تصوف میں اُن مشائخ کے نام ملتے ہیں جو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں اور ترتیب کے ساتھ وہ ہر دور میں اپنے سے پہلے مشائخ سے برکات نبوت حاصل کرتے ہیں تا آنکہ وہ لڑی حضور ﷺ تک پہنچتی ہے اور اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے کس نے حاصل کیا پھر اُن سے کس طرح مشائخ سے ہوتا ہم تک پہنچا۔ جہاں تک اس کے حصول کی حیثیت کا تعلق ہے تو قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی معرکتہ الآراء تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ ان کیفیات کا حصول ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے۔ اس کے بغیر بات ہی نہیں بنتی اور صوفی کے لئے علم کی اتنی اہمیت ہے کہ صوفی دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا وہ خود عالم ہوتا ہے یا کسی عالم کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں علم دین حاصل کرتا ہے جس سے شریعت پر عمل آسان ہو جاتا ہے۔

تصوف یہ ہے کہ جو علم ہم تک پہنچے اس پر ہم عمل کریں تو وہ محض رسم نہ ہو بلکہ دل کی گہرائی سے خلوص کیساتھ کیا جائے۔

سوال :- مراقبات کے دوران شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے کیا روحانی نقصان ہوتا ہے ؟ اس کا سدباب کیسے ہونا چاہیے ؟

جواب :- وسوسہ آنا اور بات ہے وسوسہ لانا دوسری بات ہے جو وسوسہ شیطان کیطرف سے ہوتا ہے وہ از خود آتا ہے اور خود سوچنا وسوسہ لانا ہے۔ وسوسہ لانا حرام ہے ترعاً ناجائز ہے وہ خواہ نماز میں سوچا جائے یا ذکر ومراقبات میں۔

جو وسوسہ شیطان ڈالتا ہے وہ خود آتا ہے اور بندہ اس کا رد کرے تو آپ ﷺ کی بشارت موجود ہے کہ اُسے جہاد کا ثواب ملتا ہے نقصان نہیں ہوتا اس کوشش میں ثواب بڑھتا ہے بشرطیکہ وساوس شیطان ڈال رہا ہو اور اگر خود سوچنا شروع کر دے تو نقصان ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

شیطان تو نچلہ نہیں بیٹھتا اپنی کوشش نہیں چھوڑتا تو اس کے وسوسوں کا علاج بس یہی ہے کہ اس کا رد کرے اسے ٹھکرا دے اپنی توجہ کو اپنے

اذکار' مراقبات اپنے مقامات وہاں کے انوارات وکیفیات میں مصروف کرے جب وسوسوں کی پرواہ نہیں کی جاتی تو وہ کم ہونا شروع ہوجاتے ہیں اثر نہیں کرتے اور ایک وقت آتا ہے کہ ان کی اہمیت ہی نہیں رہتی۔ لہٰذا جو وسوسے شیطان کی طرف سے آتے ہیں ان کا روحانی نقصان نہیں ہوتا انہیں رد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اگر بندہ خود سوچنا شروع کر دے تو وساوس میں قوت آجاتی ہے اور اس کا بہت نقصان ہے کیونکہ وساوس از خود لانا ناجائز ہے۔

سوال :- زندگی کیا ھے؟ بزعم خود شیخ الاسلام کھلوانے والے ایک بزرگ نے ''متاع الغرور'' والی آیت کو دلیل بناتے ہوئے کھا ھے کہ زندگی ایک دھوکہ ھے ۔ مادہ پرست کھتے ھیں کہ جسے اس شعر میں بیان کیاگیاھے

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشان ہونا

آپ سے درخواست ھے کہ بتائیں زندگی کے بارے صوفیانہ نظریہ کیا ھے؟۔

جواب :- تصوف اسلام سے الگ شئے نہیں ہے کہ اُسے صوفیانہ نظریے کا نام دیا جائے اسے اسلامی نظریہ ہی کہا جائے گا اور قرآن کریم نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ زندگی ایک متاع غرور یا دھوکہ ہے تو وہاں انسان کی سطحی سوچ کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انسان کو اللہ نے زندگی کا عرصہ مہلت عمل کے طور پر دیا ہے اور وہ اس فرصت سے دھوکے میں آجاتا ہے وہ سمجھتا ہے اُسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور اسکی دولت' طاقت اور اقتدار نے ہمیشہ اس کے پاس ہی رہنا ہے اس لئے وہ اس میں مشغول ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو جو دھوکہ انسان خود اپنے آپ کو دیتا ہے اس کے لئے قرآن حکیم میں متاع الغرور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ورنہ انسانی زندگی تو اللہ کی انتہائی قیمتی امانت ہے اور انسان کی بہت بڑی دولت ہے۔ یہ اتنی قیمتی ہے اور اتنی نایاب ہے کہ جب یہ ختم ہوتی ہے تو دنیا بھر کی ساری دولت لیکر چند لمحے کوئی خرید نہیں سکتا یعنی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی یہ زندگی عطا کرتا ہے اور وہی لے لیتا ہے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ یہ سوال نہایت اہم اور اس کا جواب بہت لمبا ہے۔ میں مختصراً عرض کروں گا کہ ساری مخلوق میں سے کوئی بھی یہ سوال کرنے کی جرات نہیں رکھتی تھی کہ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ نہ ہوا کا جھونکا نہ بارش کا قطرہ' نہ سورج کی کرن' نہ چاند کی روشنی' نہ زمین و آسمان' نہ کائنات' نہ دنیا نہ مافیہا حتیٰ کہ ملائکہ مقربین بھی جو وحی لانے والا فرشتہ ہے فرشتوں کا سردار ہے وہ بھی یہ سوال کرنے کی جرات نہیں رکھتا یہ ساری مخلوق صرف اللہ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے کسی میں یہ جرات نہیں کہ حاکم کی طرف نگاہ اٹھائے جب بھی کوئی حکم فرشتوں کو دیا جاتا ہے تو اُن پر جذب کی ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے جب وہ ختم ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں پروردگار نے کیا فرمایا تھا وہ کہتے ہیں جو فرمایا وہ حق ہے پھر اس حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن انسان کی تخلیق کا مقصد دوسری تمام مخلوقات کے مقصد حیات سے مختلف ہے۔ انسان کو اللہ کریم نے ایک ایسی استعداد بخشی ہے کہ وہ معرفت الٰہی کو پاسکتا ہے اس لئے نبوت صرف انسانوں میں ہے دوسری کسی مخلوق کو نبوت سے نہیں نوازا گیا۔ نبوت کیا ہے؟ یہ کمال معرفت ہے۔ اللہ کو جاننے کا

انتہائی درجہ نبوت ہے۔ صرف نبیؐ ہی بتا سکتے ہیں کہ اللہ کیسا ہے اسکی ذات کیسی ہے اس کی صفات کیا ہیں۔

تخلیق انسان کی وجہ حدیث قدسی میں ملتی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں کنت کنزاً مخفیا۔ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا مجھے جاننے والا کوئی نہ تھا۔ میری بے شمار مخلوق تھی لیکن کسی کو میری ذات کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرات نہیں تھی۔ فاحببت ان اعرفوا. مجھے یہ بات پسند آئی کہ کوئی مجھے ذاتی طور پر جاننے والا بھی ہو کہ باقی ساری مخلوق تو میرے حکم کے بغیر ہل جل بھی نہیں سکتی تو کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کروں جسے میں وقتی طور پر اختیار بھی دے دوں پھر اس کے سامنے اپنا جمال جہاں آرا رکھوں اور وہ مجھ پر فدا ہو کر میری محبت میں اسیر ہو کر میری طلب میں گرفتار ہو کر میری محبت میں ڈوب کر میری اطاعت کرے۔ یہ بالکل الگ بات تھی اور ساری مخلوق سے افضل ترین مقصد حیات تھا تو فرمایا فقد فخلقت الخلق تو میں نے انسان کو پیدا کر دیا۔

زندگی مستعار دیکر اللہ نے کائنات سجا کر ارادہ و اختیار دے کر انسان کو دنیا میں بھیج دیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا بڑی نکمی سی چیز ہے یہ غلط ہے دنیا اتنی مزیدار خوبصورت اور رسیلی ہے کہ بندہ اللہ کو بھول کر اس میں کھو جاتا ہے اور یہی انسان کی آزمائش ہے کہ انسان کو دنیوی لذتوں کی چاہت بھی دی اور لذتوں کی آشنائی کے لئے حواس مادی بھی دیے اس کے ساتھ قلبی طور پر اپنی ذات سے آشنائی کی جرات بھی دے دی لیکن انسان کو اس آزمائش میں بے سہارا نہیں چھوڑا اپنے نبیؑ بھیجے جو اس چراغ کو لو دکھاتے ہیں جو ہر فطرتاً پیدا ہونے والے کے قلب میں دھرا رکھا ہوتا ہے جب وہ اپنا قلب نبیؑ کے سامنے کرتا ہے تو وہ روشن ہو جاتا ہے اور ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق عظمت الٰہی سے آشنا ہو جاتا ہے۔ جب جمال الٰہی سے آشنا ہوتا ہے تو پھر اس پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

حضور ﷺ کے ایک صحابی کو ایک مشرک نے شہید کر دیا۔ منافقین جھوٹ بول کر صحابہؓ کی ایک جماعت کو حضور ﷺ سے لے گئے اور پھر انہیں شہید کر دیا بہت سے صحابہ لڑ کر شہید ہوئے اُن قاتلوں میں سے ایک حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں مجرم ہوں میں سمجھتا ہوں کہ مجھے دیکھتے ہی قتل کیا جانا چاہیے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے سوال کا مجھے جواب مل جائے پھر بیشک مجھے قتل کر دیا جائے اس لئے کہ اس سوال نے مجھے بیقرار کر رکھا ہے میں جانتا ہوں کہ مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور بیت اللہ کی قسم بھی جھوٹ پر کوئی نہیں اٹھاتا لیکن آپ کا جو صحابی میرے ہاتھوں قتل ہوا۔ اُسے میں نے نیزہ مارا جو اسکی پسلیوں کو توڑتا ہوا باہر نکل گیا لیکن مرتے وقت اس کے منہ سے آخری جملہ یہ نکلا ''رب کعبہ کی قسم میں جیت گیا'' اس نے لب مرگ اللہ کی قسم اٹھائی اور رب کعبہ کی قسم کھا کر اپنی جیت کا اعلان کیا تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ عرب کا جنگجو نوجوان ہو کر کعبہ پر قسم اٹھائے رب کعبہ کی قسم اٹھا کر اور وہ لب مرگ تو یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا لیکن میں یہ کیسے تسلیم کروں کہ وہ جیتا کیونکہ میں نے اپنے ہاتھوں اُسے مارا ہے تو وہ مر کر کیسے جیت گیا؟

حضور ﷺ نے اُسے اللہ کی ذات، اسکی توحید، اسکے ساتھ تعلق، اسکی معرفت اور اپنی نبوت سے اُسے آشنا فرمایا اُسے بتایا کہ بندہ جب اللہ سے آشنا ہوتا ہے تو بندے کا دل چاہتا ہے کہ وہ اللہ پر خود کو قربان کر دے تو میرا وہ صحابی جو تمہاری ہاتھوں شہید ہوا جس نے اپنی جیت پر رب کعبہ کی قسم کھالی وہ واقعی جیت گیا وہ اپنے مقصد زندگی کو پا گیا۔

اس جواب کے بعد وہ مشرک بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

تو زندگی بڑی بامقصد چیز ہے یہ زندگی معرفت الٰہی کے حصول کے لئے ہے اُس کا مقصد بہت عظیم ہے اور انسان کے پاس زندگی کا عرصہ بہت تھوڑا سا ہے۔ زندگی کا بہت سا حصہ بچپن کی نذر ہو جاتا ہے اور کچھ حصہ بڑھاپے میں گزر جاتا ہے بڑھاپے میں قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں آدمی ایک بچے کی مانند ہو جاتا ہے اٹھتا ہے تو گر جاتا ہے کچھ کھالے تو ہضم نہیں ہوتا تو بچپن اور بڑھاپے کے درمیان تھوڑا سا عرصہ ملتا ہے اس میں سے آدھا وقت نیند میں گزادیتے ہیں کہ جو بندہ نیند پوری نہ کرے وہ جاگ بھی نہیں سکتا۔ اگر اس وقت کو بھی نکال دیں جو نیند کی نذر ہو جاتا ہے تو پھر باقی کیا بچتا ہے۔ بچپن گیا' بڑھاپا گیا جوانی کے چند برس بچے اُن میں سے بھی آدھا وقت نیند میں گزر گیا تو پیچھے جو سرمایہ بچا وہ تھوڑا سا سرمایہ ہے اور یہی تھوڑا سا عرصہ حصول معرفت کے لئے بھی ہے اگر اس تھوڑے سے عرصے میں وہ اللہ کی عظمت سے آشنا ہو جائے اور خود کو اسکی مرضیات میں ڈھال لے تو زندگی کتنی قیمتی دولت ہے کہ اس تھوڑے سے عرصے کے بدلے اس نے ہمیشہ کے لئے اللہ کے قرب کو اللہ کی رضا کو پالیا اور جسے ہم تھوڑا سمجھ رہے ہیں اگر اُسے ہم نے ضائع کر دیا اور خدانخواستہ اللہ سے ناآشنا ہو کر گمراہی میں ہی دنیا سے گزر گیا تو ان چند سالوں کو ہی ضائع نہیں کیا بلکہ ابدی زندگی کو ہمیشہ کیلئے ضائع کر دیا۔ اس حوالے سے زندگی کی قیمت دیکھیں تو ایک ایک لمحے کی قیمت کا احساس ہوتا ہے کہ زندگی کتنا بڑا سرمایہ ہے اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔

ایک ایک سجدہ' ایک ایک لمحے کا ذکر' ایک ایک آیت کی تلاوت درود شریف کا ایک ایک نغمہ ان کی قیمت کا اندازہ تب ہوتا ہے جب اُخروی ثواب کو اللہ کے قرب کو اتنی تھوڑی سی مہلت عمل کیساتھ ملا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم نے تو کچھ بھی کام نہیں کیا اور اللہ کا عطا کردہ اجر دائمی زندگی تک محیط ہے ہمارے پاس تو ایک وجود تھا جس کی قوتیں محدود اور ضرورتیں بے شمار تھیں ذرا سی گرمی ذرا سی سردی سے وجود تڑپ جاتا تھا ایک وقت کا کھانا نہ ملتا تو بیقرار ہو جاتا تھا چند گھونٹ پانی نہ ملتا تو بات قوت برداشت سے باہر ہو جاتی تھی تو اتنا کمزور وجود اور ایسی عارضی زندگی کہ جس کے ساتھ موت جڑی ہوئی ہو لیکن زندگی کتنی قیمتی ٹھہری کہ اس سے بندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرب الٰہی پا سکتا ہے اور اگر اسے ضائع کرے تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غضب الٰہی کا شکار ہو جاتا ہے اللہ معاف رکھے۔ اس اعتبار سے زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے۔

پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح حیات ''مہر منیر'' میں انکی محافل کا بھی تذکرہ ہے کسی ایک محفل میں اُن سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ بعض اوقات جانور کا پتہ نہیں چلتا ہم اس پر چھری چلاتے ہیں کبھی وہ ہاتھ پاؤں نہیں مارتا تو ایسی حالت میں پتہ نہیں چلتا کہ وہ حلال ہے یا حرام۔

ایسی صورت میں آسان سی بات ہے کہ ذبح کرنے سے اگر رگوں سے خون نکلے تو اس کا مطلب ہے جانور میں حیات باقی تھی تو وہ حلال ہے اور اگر بوقت ذبح رگوں سے خون نہ بہے تو اس کا مطلب ہے وہ پہلے ہی مر چکا تھا لہٰذا حرام ہے۔ مسئلہ بتانے کے بعد فرمانے لگے کہ اگر جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے تو ہم دن بھر کتنے سانس اللہ کے نام کے بغیر لیتے ہیں تو وہ وقت تو ناشکری میں گزر گیا جسے صوفیا کہتے ہیں جو دم غافل سو دم کافر۔ زندگی بے شک چند روزہ ہے لیکن اس میں مصروفیات اتنی سمو گئی ہیں کہ بندہ ہر وقت کسی نہ کسی ذمہ داری کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے

روزگار کو وقت دینا ہے' بچے پالنے ہیں گھر بنانا ہے ذاتی خانگی ذمہ داریاں ہیں رشتہ داریوں اور کنبہ قبیلے کے امور ہیں پھر ملکی اور بین الاقوامی امور درپیش رہتے ہیں اتنی گنجلک مصروفیات میں الجھا کر بندے کو معرفت الٰہی سے کیسے آشنا کیا جائے؟ معرفت الٰہی کے لئے ضروری ہے کہ بندہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف اللہ اللہ کرتا رہے بلکہ انہی مصروفیات دنیا میں معرفت الٰہی موجود ہے کہ زندگی کا ہر کام اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کرے یوں رزق حلال کمانے کے لئے جائز وسائل اختیار کرنا' جائز طریقے سے خرچ کرنا' شادی کرنا' گھر بنانا' بچے پالنا یہ سب کچھ حصول معرفت الٰہی کا ذریعہ بنتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں محض وقت گزارنا مقصد نہیں بلکہ بھرپور زندگی گزارنا مقصد ہے اسلام نے بندے پر جو ذمہ داریاں رکھی ہیں ان سب کو اللہ کے حکم کے مطابق ادا کرنا ہی ذریعہ معرفت الٰہی ہے جیسا کہ صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم میں آتا ہے تراھم رکعاً سجداً اے مخاطب تو انہیں جب بھی دیکھے گا رکوع اور سجود میں پائے گا اور صحابہ کی زندگیوں پر نگاہ ڈالی جائے تو انکی زندگیاں مصروف ترین نظر آتی ہیں انکی زندگیوں میں عبادات ہیں' معاملات ہیں کاروبار بھی ہے اور سیاسیات بھی انہوں نے تبلیغ میں' دعوت الٰہی میں' نفاذ دین میں اور لوگوں کو حق وانصاف فراہم کرنے میں زندگی کے ہر شعبے کو انتہا تک پہنچا دیا۔ جہاد کیے ظلم سے روکا انصاف عام کیا ایک بہت بڑی سلطنت کی بنیاد رکھی ایک سیاسی نظام رائج کیا۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے رات دن کوشاں رہے کچھ حصہ جائے نماز پر بسر ہو گیا کچھ گھوڑے کی پشت پر بسر ہوا لیکن قرآن حکیم کہتا ہے انہیں ہر وقت رکوع وسجود میں دیکھو گے یعنی اُن کا ہر کام رکوع اور سجود کا درجہ رکھتا تھا انہوں نے دنیا کے تمام کام کیے اور اس خشوع کے ساتھ کیے جس خشوع کیساتھ رکوع اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ بندہ رکوع وسجدہ کرتے ہوئے اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے تو فرمایا انہوں نے ہر کام اللہ کی اطاعت کے اندر اس خلوص سے کیا کہ ان کا ہر دنیاوی کام قرب الٰہی کے لیے بن گیا' رکوع اور سجود بن گیا۔

اس نظر سے دیکھیں کہ خلوص ہو تو ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور جو لمحہ ضائع ہو جائے وہ واپس نہیں آتا۔

رہی مادہ پرستوں کی بات تو ان کا یہ کہنا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

تو انکی بات اس اعتبار سے تو درست ہے کہ چند عناصر ایک خاص ترتیب سے ملتے ہیں تو حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ منتشر ہو جاتے ہیں تو موت واقع ہو جاتی ہے لیکن یہ عناصر کیا اتنا شعور رکھتے ہیں اور ان میں اتنا ادراک ہے کہ وہ کس ترتیب سے ملیں تو ان میں حیات پیدا ہو اور اگر یہ شعور نہیں رکھتے تو اس کا مطلب ہے کوئی ان عناصر کو ملاتا ہے اُن میں زندگی پیدا کرتا ہے عناصر میں ترتیب کون دیتا ہے؟ اس لئے کہ ترتیب از خود نہیں آتی ایک کمرے میں کرسیوں کا ڈھیر لگا دیں تو کیا وہ خود ترتیب میں آجائیں گی کوئی تو انہیں ترتیب دے گا۔ پھر عناصر خود کہاں سے آئے؟ انہیں کس نے پیدا کیا؟ ان میں خصوصیات کس نے پیدا کیں کہ عناصر وہی ہیں ایک ترتیب سے ملتے ہیں تو ایک درخت بن جاتا ہے دوسری ترتیب سے ملتے ہیں تو دوسری قسم کا درخت پیدا ہو جاتا ہے زراعت پیشہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ گندم کی فصل بوئی جائے اور پھر گندم کے بعد اسی زمین میں مونگ پھلی کی کاشت کی جائے تب بھی زمین میں نمو کی صلاحیت موجود رہتی

ہے اس لئے کہ جو اجزاء مونگ پھلی کو چاہیں وہ اجزا گندم نے زمین سے حاصل نہیں کئے یوں ہر فصل اپنا حصہ زمین سے لیتی ہے اس کا مطلب ہے کہ عناصر کی تخلیق بھی کسی نے کی ہے اور ان کو ترتیب بھی وہ خود ہی دیتا ہے اور جب چاہے ترتیب بدل کر ان میں سے حیات ختم کر دیتا ہے تو مادہ پرستوں کا یہ شعر خود اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ ہے اس نے ہی عناصر بنائے عناصر میں خصوصیات رکھیں انہیں ترتیب دیا تو ان میں زندگی آ گئی انہیں بکھیر دیا تو بدن منتشر ہو گیا اور روح الگ ہوگئی۔ یہ شعر تو خود اللہ کی قدرت پر دلیل دے رہا ہے کہ عناصر از خود نہیں بلکہ کسی نے بنائے تو بنے ان میں اوصاف زندگی کسی نے رکھے پھر انہیں کسی نے ترتیب دیا تو ترتیب میں آئے اور کسی نے انہیں بکھیرا تو یہ منتشر ہو گئے۔

سوال یہ ہے کہ جنہوں نے زندگی کی قدر و قیمت پہچان کر زندگی گزاری جنہیں زندگی کی لذت نصیب ہوئی انکے تو عناصر پریشان ہوتے ہی نہیں اُن پر موت وارد ہوتی ہے روح الگ ہو جاتی ہے لیکن صدیوں بعد وجود زمین سے نکلتا ہے تو تر و تازہ ہوتا ہے۔ ہر جسم کے عناصر تو وہی ہیں ایک وجود مرنے کے پندرہ بیس گھنٹے بعد گلنے سڑنے لگ جاتا ہے دوسرا صدیوں بعد تر و تازہ رہتا ہے۔ ایک صدی بعد چین کے صحرا سے صحابہؓ کے وجود برآمد ہوئے۔ ستر کی دہائی میں مسجد نبوی کی توسیع کے دوران صحابہ کرامؓ کے وجود مبارک نکلے جو ایسے تھے جیسے کوئی سو رہا ہو پھر انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا تو ان وجودوں میں بھی عناصر تو وہی تھے اور ترتیب دینے والے نے ترتیب دیئے تھے تو منتشر کیوں نہیں ہوئے؟ ان مادہ پرستوں سے کوئی پوچھے کہ اس مادے کو کیا ہوا یہ کیوں خراب نہیں ہوا؟

بات صرف یہ ہے کہ جنہوں نے زندگی کی حقیقت کو پا لیا اُن کے وجود کا مادہ بھی اس حقیقت کا اسیر ہو گیا وہاں اسکی خصوصیات بھی بدل گئیں اور جنہوں نے زندگی ضائع کر دی زندگی کی قیمت کو نہیں پایا ان کے وجود کے مادے نے بھی ان کی پرواہ نہیں کی۔

میری نظر میں تو یہ شعر خود عظمت الٰہی کی دلیل ہے۔ اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائے تو کسی زاویے سے بھی دیکھیں تو عظمت باری سامنے آ جاتی ہے اللہ پاک گمراہی سے پناہ میں رکھے اگر کوئی گمراہ ہو جائے تو اسکی نظر ایسی ٹیڑھی ہو جاتی ہے کہ ہر چیز میں ٹیڑھا پن ہی نظر آتا ہے۔ اللہ پاک معاف فرمائے۔ آمین

اِنا للہ وانا الیہ راجعون

درج ذیل احباب کے عزیز واقارب خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔

☆ ...... سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی محمد رمضان (بورے والا) کی ساس
☆ ...... گوجرہ سے سپیشل کلاس کے ساتھی دلاور خاں کی والدہ محترمہ
☆ ...... گوجرہ سے سپیشل کلاس کے ساتھی حافظ تنویر کے دادا جان
☆ ...... لاہور کے ساتھی ڈاکٹر محمد سلیمان کی والدہ محترمہ۔
☆ ...... لاہور کے ساتھی پروفیسر حافظ خالد محمود کے والد محترم۔
☆ ...... عبد المجید (اسلام آباد) کی پھوپھو جان۔
☆ ...... محمد اسحاق (لاہور) ایک ناگہانی حادثہ میں وفات پا گئے۔
☆ ...... غلام عباس (دلہن زری ہاؤس) راولپنڈی کی بھانجی۔
☆ ...... سلسلہ کے ساتھی ملک عبد الحفیظ کھوکھر (خوشاب سے)
☆ ...... محمد اسلم عابد (راولپنڈی) کی دادی جان۔
☆ ...... ملک ارشد (گوجرہ) کی ہمشیرہ۔
☆ ...... ڈاکٹر وحید احمد تبسم (مرید کے) کے بڑے بھائی۔

ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین دو الگ الگ چیزیں ہیں ہم اسلام کو بھی مذہب کہہ دیتے ہیں لیکن اسلام محض مذہب نہیں ہے مذہب سے مراد کوئی بھی راہ جسے کوئی اختیار کر لے' کوئی تہذیب' کوئی انداز فکر' جس طرح کوئی جینا شروع کر دے۔ زندگی گزارنے کا کوئی راستہ اپنا لے تو اسے مذہب کہیں گے۔ اسلام دین ہے یعنی اس پر عمل کرنے سے صرف زندگی آسان نہیں ہوتی بلکہ اس کا ہر عمل اللہ کی عبادت ہے اس پر عمل کرنے سے زندگی بھی آسان ہوتی ہے لیکن سنت کے مطابق کمانا عبادت ہے' سنت کے مطابق کھانا عبادت ہے' سنت کے مطابق خرچ کرنا عبادت ہے' سنت کے مطابق صلح عبادت ہے' سنت کے مطابق جنگ عبادت ہے' سنت کے مطابق قتل کرنا عبادت ہے' سنت کے مطابق قتل ہو جانا عبادت ہے' یہ نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے جسے زمانے کی روش گہنا نہ سکی' جسے صدیاں پرانا نہ کر سکیں' جس میں انسانی ضرورتوں میں تبدیلیوں کے باوجود تبدیلی کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ کتنے زمانے بدلے' کتنی صدیاں بدلیں' لوگوں کے لباس بدل گئے' لوگوں کے کھانے کے انداز بدل گئے' لوگوں کے سفر کے طور طریقے بدل گئے لیکن احکام شریعت میں تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ پھر کسی چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو چھوڑا بھی نہیں گیا۔

ماخوذ از اکرم التفاسیر جلد دوئم صفحہ 283

یونیک انٹرنیشنل گارمنٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

یو۔کے ہوزری پل کوریاں' سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2664028 041-2665971

Ahadiyyat or observe its Lights or see your Rooh standing there. Some lucky ones may be able to see all three things while some may observe only two. It is possible that if one doesn't get Mushahidah, one may get Wajdaan. One does get either of the two blessings. Although the person blessed with Wajdaan doesn't observe anything, he is fully convinced that he is standing there and all these things are also present there. The indication of Wajdaan is that it is such a strong inspiration from Allah[swt] that no intellectual reason can override it. No one can convince him that it is not correct. Although he is not seeing anything, yet he is observing everything. Wajdaan is more reliable than Mushahidah. There is the possibility of an error in Mushahidah: although Shaitan cannot go above the heavens, he tries to colour the lights going up and tries to paint his image in them, which is very difficult to detect. However, in Wajdaan, the lights are descending onto the Qalb, if Shaitan tries to interfere with them, the hair stand at their ends and the Qalb immediately realizes that there is something wrong. Wajdaan is, as such, more reliable. However, HE doesn't deprive anyone and certainly blesses everyone. If this blessing takes time or is received immediately, it is timed by HIM, because HE knows what should be granted to whom and at what time. Your duty is to make an effort; our job is to give Tawajjuh and work with you, and it for Allah to reward our efforts.

Q: 12 What should be thought of during Maraqbaat (meditations)?

A: 12 Nothing should be thought of during Maraqbaat. My brother, when you are fully concentrating on 'Allah Hoo' during Zikr, there is no need to think of anything else. Full attention should remain focussed on 'Allah Hoo' in this part. The Rabitah (connection) is the first Maraqbah during the meditation part. In this Maraqbah, lights rise up from the **Qalb** to the 'Arsḥ (The Divine Throne). Again, full attention should remain focussed on this. Those who have been blessed with other Maraqbaat should concentrate on their respective meditations.

A: 7 Constancy is achieved through concentration, and concentration is achieved through frequent Zikr. It is a condition achieved by performing an act continuously. If you observe those who indulge in worldly activities like gambling, drinking or bird-fighting, they become so engrossed that their minds, tongues and hands remain occupied in their hobbies, whether they are driving, cooking or doing anything. Similarly, the blessing of constancy is achieved through frequent Zikr.

Q: 8 What is meant by 'confirmation by the Qalb'?

A: 8 If this confirmation by the Qalb is absent, one may be included in Muslim lists, but is not considered a Muslim by Allah-SWT. Allah-SWT accepts his Islam only when his Qalb accepts Islam. If a student loses faith in his teacher after obtaining an education, he doesn't lose that knowledge, but for the acquisition of Prophetic blessings, it is obligatory to place complete faith in the Holy Prophet-SAWS. The Deen, in reality, denotes the strength of relationship with the Holy Prophet-SAWS, the stronger this relationship, the stronger the Faith! Secular knowledge comprises mere words, but Prophetic blessings comprise both words and feeling that suffuse the character of a believer. You may keep teaching about honesty to a student, but you cannot make him honest, yet when the Holy Prophet-SAWS describes honesty, it shall become the second nature of a listening believer. And this is the distinguishing greatness of Prophets!

Q: 9 What is meant by the illumination of the Lata'if and what is its indication?

A: 9 When the Lata'if are illuminated, a person develops hatred for sin and feels a wave of delight passing through the body by doing a noble act. This is the real indication. If one is blessed with Kashf (spiritual observation), one can also detect the increase and decrease in the lights of Lata'if.

Q: 10 A member of the Order, who visits us to conduct Zikr once remarked that these meditations are only abstract and conceptual. Please explain this.

A: 10 This is not correct. This is the concept in Hindu yoga. The meditations in Islamic Tasawwuf are real and actual. There is no room for any imaginations, nor are such imaginations taught.

Q: 11 What should be imagined during Ahadiyyat, Ma'iyyat and Aqrabiyyat?

A: 11 My brother, there is not need to imagine anything. Whenever you are blessed with Ahadiyyat, you will get one of the two things through the Tawajjuh of either the Shaikh or a Sahib-e Majaz. You will either get Mushahidah (spiritual observation) and see

telepathy. This power is attained by focussing the entire mental energy at one point. Such people start with constantly gazing at the flame of a candle for five minutes in the beginning and gradually extend this time to several hours. Those who become experts can continue gazing at the sun for hours at a time. They do this to attain the ability to focus the entire mental energy at one point. Having attained it, they use this ability to transfer their thoughts to other people's minds or to read their minds to some extent. During these times, you are using machines for similar purposes. You can watch on TV, a game being played on the other side of the world. A person who has learnt the art to concentrate may see it even without a TV: it is possible. You can converse with someone across the globe though a telephone, while such a person may be able to communicate without a telephone. There still exists a tribe in Africa, where this concentration of attention is regarded as worship. Their religion dates back to the prehistoric period. One of them informs the other of his plan to communicate at a particular time. The other person also concentrates at the same time and they are able to communicate even if they are hundred of miles apart. It is possible, because anything that can be perceived through material means can also be perceived by concentration of attention, because the brain is also a material entity. However, it is not possible to observe the angels, facts of Barzakh or the realm above the heavens or the Divine Refulgence, through concentration of attention.

Q: 6 How can the effect caused by the lack of attention and concentration on Kashf and Maraqbaat be removed?

A: 6 Our reason for attention and concentration is to guard the Qalb against external disturbances. Our real object is the Qalb. If the concentration is inadequate, the mind starts thinking of something else. If you open you eyes and start looking at something or start listening to a song, it will disturb the attention of your Qalb. For this reason, our Qalb does not absorb the spiritual states. Now the question: how to overcome this weakness? The best cure is frequent meditation. Meditate for long duration after Zikr. If Maraqbaat-e Thalatha (the Three Meditations) are your lessons, meditate about Aqrabiyyat when going to sleep. If you are doing Lata'if and Rabitah (Connection - the basic meditation) only, concentrate on your Qalb while going to sleep. If you find some time to meditate, sit down and meditate. Frequent meditation strengthens the Qalb.

Q: 7 How can one achieve constancy in Zikr?

Prophet Ibrahim was rewarded for his grand sacrifice when he put his knife on the throat of his son Prophet Ismail. **Allah** graciously allowed this Ummah to share this great reward, only at the cost of slaughtering an animal. If **He** has blessed those who have gone there, **He** has not forsaken us, who are here. On the other hand, we do not care for ourselves. We don't bother about our benefit or loss. We are blinded by the pursuit of vain desires and, in that frenzy, we forget that a flashy object can also be a snake and a piece of burning coal can look like a ruby.

Wherever we are, we should turn towards **Allah** and implore **Him** to accept our repentance and grant us the honour to visit **His** House and perform all Hajj rituals, and visit the tomb of the holy Prophet. **He** is able to do everything and can shower **His** blessings on everyone. We should become **His** obedient slaves so that **He** is well pleased with us. Every beat of our hearts should glorify **His** Name. Every organ of our body should become subservient to **His** Commands. Our foreheads should be constantly bowed at **His** door and our hands should remain raised in supplication before **Him**.

Our *Rabb*! May we live with this and die on this and be raised along with people of such virtues! Ameen!

Questions and Answers about Tasawwuf

Questions of Ahbab answered by

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Q: 5 Is the 'power of concentration' related to the brain or the Qalb?

A: 5 There are five senses, one of touch, taste, smell, sight and hearing associated with the human body; there is yet another, a sense of thought also. The information processed by them directly affects the Qalb. If the eye sees something beautiful, a beautiful flower, a lovely picture, the Qalb also feels delighted; if it sees something ugly, the Qalb also feels distressed. If the ear hears something good or bad, or if the tongue indulges in noble or loose talk, the Qalb feels their effect. Similarly, the thought process of the brain also affects the Qalb. When, it is advised to close the eyes during Zikr, lock the tongue, move the body slightly and focus the mind on 'Allah Hoo', all these steps are aimed at reducing the external effects on the Qalb. If the Qalb is distracted, it will divide its attention and consequently its connection with Zikr Allah will be lost. It means the Qalb can remain attentive to only one thing at one time. The 'power of concentration' is, in fact, one of the yoga practices and worship of Hindus. These are exercises of the brain that are similar to

Allah and not place ourselves against **Him**. We must acknowledge **His** supremacy over us. This is obligatory! If we don't achieve this, we have hardly any right to be called Muslims. Previously, the disbelievers were impressed by the conduct of Muslims and embraced Islam, but now even Muslims feel averse to the religion due to the behaviour of fellow Muslims. When our children grow up, they overtly criticise our conduct. "Look at our elders!" they say, "they tell lies, work corruption, deceive others but advise us to become good. They remain in clubs themselves but ask us to stay at home. They themselves gamble but expect us to save money." When our own children abhor the paradox in our speech and conduct, how can any non-Muslim be impressed by us. Our children trust us as long as they are young but when they grow up and observe our character, they develop genuine doubts about the truth and veracity of the entire religion. They remark scornfully, "If, what our elders prohibit us from, was really bad, they won't be doing it themselves."

The religious scholars maintain that it is better to remain in the country and send the heart to Makkah rather than to visit Makkah and leave the heart behind. May **Allah** accept the Hajj of those whom **He** has called to **His** House. **He** has, however, not deprived us, who are here. In **His** Infinite Mercy **He** has blessed us to join those who are there. **His** Abounding Grace is equally showered on all.

We should stop criticising others and take account of ourselves. Can we indulge in vice on the pretext that the whole society is corrupt? Can we justify our bad conduct on the plea that others are equally bad? Has it ever happened that someone chose to drown himself just because others were drowning? Does anyone willingly burn himself with others entrapped in fire? Then, why do we advance this excuse to justify our character shortfalls? We are responsible for ourselves. We should present ourselves before **Allah**, submit to him and earnestly beg forgiveness. We should try to protect and rescue at least ourselves from Divine retribution. If someone does not try for his salvation, he is doing himself a great harm. How can anyone expect any loyalty from someone who is not sincere to even himself? A person, who is content with his own losses, would never care about others.

Let's entreat **Allah** to grant us the honour of visiting **His** House. Although we are physically thousands of miles away, but our hearts are not away from it. **Allah** is not far from us. If **He** can shower **His** blessings there, no one can stop **Him** from doing so here.

God. Also in Judaism, a common man cannot speak directly to God; he has to confide in the rabbi, who would communicate on his behalf.

Islam is the only religion which places every man face to face with his Creator. It is not the religion of any spiritual leader, religious scholar, monarch or land lord. It is the religion of every Muslim, rich or poor, alike. Every Muslim has a direct relationship with **Allah** and **His** holy Prophet[SAW]. Our division in numerous religious sects is the result of our effort to equate ourselves with **Allah** and the holy Prophet[SAW]. We preach to people to follow **Allah**, **His** Messenger[SAW] and us. We covertly desire that people accept and follow our personal interpretation of the religion. Similarly, the other sects exhort masses to follow their way and interpretation. Now why should anyone follow you or me? Every one has the right to have his own choice and opinion. Religion denotes his relationship with **Allah** and the Prophet[SAW]. He has the right to maintain and claim it in his own way. He has an equal right to stand before his ***Rabb*** and communicate with **Him** directly. How can any body close the door which **Allah** has kept open for **His** slaves?

The greatest favour of the religious scholars is the communication of Divine Commands and instructions of the holy Prophet[SAW] to us in their pristine purity. But, if they colour the religious teachings with their own interpretation, we would not accept anything from them and instead would turn to someone who presents pure religion. Similarly, the Mashaikh (spiritual guides) are the custodians of Prophetic blessings. If they really possess that treasure, then we are sure to get some light and love in their company. But if they, too, distribute rancour and hatred, where from would we get the love? Islam is the Message of love. It enjoins kindness even for a disbeliever and prohibits oppression and transgression against an infidel. We cannot cross the bounds of justice especially when dealing with Muslims. But if we are not prepared to restrict ourselves within the Divine limits, then in my opinion, this effort entailing expenditure and hardship would bear no fruit.

I am not trying to dissuade you from Hajj. You must perform Hajj but you should first prepare yourself here consciously and deliberately for the absolute surrender before **Allah**. If you cannot reach **His** House in Makkah, then speak to **Him** from your mosque. That, too, is **His** House. "Oh my ***Rabb***! Had **You** given me the resources, I would have come to **Your** House and surrendered myself there. Now, I accept my humbleness and surrender before **You** here, earnestly and completely!" We should lower ourselves before

The second point which merits consideration is that every action is the outcome of an inner motive. If the motive is not satisfied, its related effort becomes doubly tiresome and fatiguing. Let's say that some people come here to meet me on a Friday, when by chance I am not present. They may offer their Friday prayers here, but would return disappointed because they had come with a definite purpose. Non-achievement of this aim would render their journey doubly fatiguing. But if they had achieved their aim and had met me, they would have felt that their effort had been duly rewarded and they would have returned satisfied. Similarly, the real purpose of Hajj must be achieved: otherwise all the physical and financial efforts would cause us only fatigue and disappointment.

During Hajj we need to place all our previous deeds before **Allah** and submit: "O my ***Rabb***! This is the doing of my whole life. I am **Your** humble slave. I surrender my will and purpose before **You**. Now, my thought and actions would be subservient to **Your** Will. I shall do what **You** permit and refrain from what **You** prohibit. Today, I end self rule and accept **Your** Absolute Sovereignty". If we don't achieve this and perform Hajj fifty times, we actually gain nothing but would rather render ourselves blameworthy for lying before **Allah**. We did not reform ourselves even after so much physical and financial hardship. We had made a false covenant with **Allah** and did not keep it. We did not care about our promise and shamelessly turned back on our words.

Allah has placed Hajj at the fourth priority. But have we attended to the first three obligations? Have we climbed the first three steps before attempting the fourth? Have we constructed the other three walls of our religious house before starting the fourth? Do we intend starting them today alongside the fourth? If they already did not exist, how can we try to put the roof only on one wall?

Islam is a simple, direct and practical religion, free from all types of doubts and deceptions. The basic difference between Islam and false religions is that, Islam establishes a direct link between **Allah** and **His** slave, whereas all other religions block this direct communication. In Hinduism, a commoner Hindu can only approach a Brahmin: he has no access to the false deities and powers: this is the problem of the Brahmin alone. Similarly, in the Buddhist cult, a common person has no access beyond the Buddha. In Tibet, one can only see the lama, after that he has no access to his so called god. Even in Christianity, one can only go to the priest or the pope: beyond that is the realm of Christ or

HAJJ

...of the poor and the rich

Translated Speech of

His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Performance of Hajj is a life time ambition of all of us and we make all possible efforts for its fulfilment. Every year, millions of Muslims of diverse colours, languages, nations and countries converge at Makkah to discharge this obligatory religious duty. But, what is Hajj?

Hajj is one of the five basic pillars of Islam. The first pillar is Kalimah (proclamation of Faith), which comprises profession of **Allah**'s Absolute Divinity and Prophethood of the holy Prophet Muhammad. The second pillar is the daily five times Salah (prayers), third is the fasting during the month of Ramadhan, the fourth is Hajj and the fifth is Zakat (payment of poor-due). Hajj and Zakat are mentioned at serial four and five respectively because they are not obligatory for all Muslims except those who possess sufficient financial resources. Hajj is obligatory for only that Muslim who can sustain it both physically and financially. He should be healthy enough to perform all the rituals properly and be wealthy enough to bear all his expenses himself and arrange sustenance for his family for the period of his absence. If he is unable to fulfil both conditions simultaneously, he is absolved of this religious obligation. Similarly, only that person is charged with Zakat who accumulates a certain amount of wealth over a year. Thereafter, he is required to pay one rupee per forty un-spent rupees to the poor and the needy. It is also not necessary to pay the Zakat in the month of Rajab only. It is payable whenever the un-spent amount has remained in one's possession for one complete year. This may occur at any time of the year, whether in the month of Sh'aban or Ramadhan. Therefore, in Islam, Zakat is collected and distributed throughout the year, because it is payable by different people at different times. It is also payable for the ornaments (silver and gold), animals and business according to the prescribed rates. In the earlier times, due to paucity of the means of communications, the government dispatched the tax collectors in the month of Rajab, so that every one in the distant areas knew about their arrival and could deposit the Zakat with them. Therefore, it is not correct to maintain that Zakat is payable only in the month of Rajab.